دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ نقوش اسلام

Issue.No.6	اگست ۲۰۰۷ء (August, 2007) رجب ۱۴۲۸ھ	VOL.No.2

زیر سرپرستی

- مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
- ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
- عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم رائے پوری

مجلس مشاورت

- مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
- مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی
- مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
- الحاج موسیٰ بھائی درسوت
- مولانا محمد عامر صدیقی ندوی
- مولانا محمد صالح جی
- مولانا حافظ محمد ایوب کاڑوا
- مولانا محمد اختر قاسمی

مجلس ادارات

- مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
- مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری
- مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری
- مولانا محمد نظام الدین ندوی

چیف ایڈیٹر
محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی
حافظ عبدالستار عزیزی

مدیر معاون
ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے
فی شمارہ ۱۰/روپے
سالانہ ۱۰۰/روپے
خصوصی ۳۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۲۰/ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E-ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.**247129**
(U.P)INDIA.Ph.0132.2775452.Cell.09719831058

ماہنامہ ’’نقوش اسلام‘‘ مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

PRINTED PUBLISHED AND OWNED BY MOHD.MASOOD AZIZI NADWI
PRINTED AT UNION PRESS DEOBAND AND PUBLISHED AT MUZAFFARABAD SRE
EDITOR:MOHD. MASOOD AZIZI NADWI

npage24\A017 not found. Border\BISMIL01\001. not found. npage24\A017 not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
تاریخ آپ کو بھی بھلاسکتی ہے	محمد مسعود عزیزی ندوی	
لائحہ عمل		۶
نسل نو کے لیے تعلیم کو کیسے مفید بنائیں	مولانا اسرار الحق قاسمی	
اخلاق واحسان		۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ازدواجی رشتہ	پروفیسر بدرالدین الحافظ	
مراحل زندگی		۱۱
روشن مستقبل کا جوان	ڈاکٹر سیف راشد جابری دبئی	
حقائق		۱۴
کیا ۱۸۵۷ء کی جدوجہد...........مولانا محمد ولی رحمانی، مونگیر		
مکتوبات اکابر		۱۹
مکتوبات حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی	محمد مسعود عزیزی ندوی	
جائزہ		۳۲
غزوہ بدر کا پس منظر اور اس کے......مولانا عبیداللہ ندوی نیپالی		
تاریخ کے دامن سے		۳۶
علامہ نصیر الدین طوسی ایک دیو قامت......محمد زکریا ورک، کینیڈا		
محاسن اسلام		۳۰
یتیموں کی کفالت قرآن وحدیث کی......مولانا محمد عامر ندوی، کویت		
دعوت فکر		۳۴
آج میری تلوار کند کیوں ہے؟	مولانا انعام الرحمٰن ندوی	
فکروعمل		۳۵
خراب کر گئی شاہین بچے کو......	مولانا محمد نظام الدین ندوی	
اصلاح معاشرہ		۳۹
یہ رجب کا مہینہ ہے!!!	مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	
تجزیہ		۴۱
معراج جسمانی اور حقیقی	مولانا محمد عمر مجاہد پوری	
تبصرے		۴۶
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
مراسلات	(ادارہ)	۴۷
حالات حاضرہ		۴۸
عالمی خبریں	حافظ عبدالستار عزیزی	

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰
$\frac{1}{4}$ صفحہ //		۴۰۰

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون مبلغ ۱۰۰/روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔(ادارہ)

E.mail:masood_azizi@rediffmail.com --------- nuqooshe_islam@yahoo.co.in

پرنٹر پبلیشر محمد مسعود عزیزی ندوی نے یونین آفسٹ پریس دیوبند میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر، مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

اداریہ

تاریخ آپ کو بھی بھلا سکتی ہے

محمد مسعود عزیزی ندوی

آج کل جب ہم تاریخی حوالہ سے کوئی بات کہتے ہیں، یا تاریخ میں اپنے اسلاف کے کارنامے ذکر کرتے ہیں، یا اسلامی تاریخ کے سلسلہ میں گفت وشنید ہوتی ہے، یا اپنے ملک کی آزادی کے بارے میں تاریخی طور پر کچھ کہنا چاہتے ہیں تو بے ساختہ ایک بات ہماری زبان سے ضرور نکل جاتی ہے کہ یہودیوں نے اسلامی تاریخ کو مسخ کردیا ہے،عیسائیوں نے مسلمانوں کی تاریخ کو بدل کے رکھ دیا ہے، یا مستشرقین نے اسلامی علوم اور اسلامی فتوحات کے بارے میں جانبدارانہ بلکہ متعصّبانہ رویہ اختیار کیا ہے، یا ہمارے ملک میں ہماری تاریخ کو، ہمارے اسلاف کی تاریخ کو غیر مسلموں نے یا برادران وطن نے دبا دیا ہے، نصاب کی کتابوں میں تبدیلی کردی ہے، اور حقائق کو چھپا دیا ہے، حالانکہ اصولی بات یہ ہے کہ مؤرخ کو، صحافی کو، محقق اور مصنف کو غیر جانبدار ہونا چاہئے، اور حقائق کی روشنی میں حالات کا تجزیہ کرکے پھر قاری کے سامنے پیش کرنا چاہئے، لیکن ہمارے تجربات کی روشنی میں کچھ باتیں ایسی سامنے آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صاحب قلم، صاحب تصنیف یا صاحب کتاب اپنے نظریات وافکار، اپنے مذہب وعقائد اور اپنے ماحول وگردوپیش کے حالات کا تابع ہوتا ہے، اور وہ چاہتے ہوئے بھی بعض مرتبہ اپنی ڈگر سے نہیں ہٹ پاتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں انصاف پسند اور حقیقت پسند لوگ نہیں ہوئے ہیں، بلکہ عام طور سے ایسے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔

جب ہم عربی لغت ''المنجد'' کو دیکھتے ہیں جو ایک مستشرق عالم ''لویس معلوف الیسوعی'' کی لکھی ہوئی ہے، تو اگر اس میں کسی لفظ کے معنی ہمیں اپنے یا اسلامی نظریہ کے خلاف ملتے ہیں تو فوراً ہم کہتے ہیں کہ دیکھئے یہاں اس نے اسلام دشمنی اور تعصب سے کام لیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس نے اپنے ماحول ونظریہ کے مطابق لکھا ہے، کیونکہ اس کو آپ کے دین واسلام کی عظمت معلوم نہیں، جنت وجہنم کا تصور نہیں، آخرت کا یقین نہیں؛ لیکن اس سے انکار نہیں کہ مستشرقین کا مشن ہی اسلامی علوم کو حاصل کرکے اسلام پر کیچڑ اچھالنا اور اس میں سوشے نکال کے شکوک وشبہات پیدا کرنا ہے۔

ہمارے ملک میں اسکول وکالجز میں یا حکومت کے اداروں میں یا برادران وطن کے کسی پروگرام میں ۲۶ر جنوری یا ۱۵ر اگست کو مجاہدین آزادی کے تذکرے ہوتے ہیں اور ملک کے آزاد کرنے والوں کو سلامی پیش کی جاتی ہے تو وہاں صرف غیر مسلم لیڈران ومجاہدین کا تذکرہ کیا جاتا ہے، لے دے کے ایک آدھ مسلمان کا نام بھی لے لیا جاتا ہے، جیسے مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ

اور ایسے ہی جب نصابی کتابوں میں کوئی مضمون اس موضوع سے متعلق ہوتا ہے تو اس میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔

اور جب ہمارے کسی دینی ادارے یا اسکولس میں یا عام مسلمانوں کے بیچ میں کوئی پروگرام ہوتا ہے تو ہمارے مسلمانوں کے جتنے بھی مکاتب فکر ہیں، سبھی اپنے اپنے مکاتب فکر کے لوگوں کا بڑے پرجوش انداز میں تذکرہ کرتے ہیں اور یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ گویا کہ ہندوستان انہیں لوگوں نے آزاد کرایا ہے، اور یہ بات بھی ضرور کہی جاتی ہے کہ برادران وطن نے ہماری تاریخ کو توڑ مروڑ دیا ہے، حالانکہ ہمارے فلاں فلاں اکابر نے آزادی کی جنگ لڑی ہے، انہوں نے تو کچھ کیا نہیں، ان کو تو ساتھ لگا یا گیا ہے، اور برادران وطن کے ایک آدھ آدمی کا نام بمشکل تمام ہی لیا جاتا ہے، اپنے ہی ہم خیال اور اپنے ہی ہم عقیدہ سب لوگوں کا یا اکثر لوگوں کا نام لیا جاتا ہے۔

حالانکہ جب انصاف سے ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں یا اس سلسلہ میں مختلف مکاتب فکر کے لوگوں سے ملتے ہیں اور ان سے تبادلہ خیال کیا جاتا ہے تو جہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے لوگ آزادی میں شامل تھے، اور ان کے ساتھ ہندو بھی تھے، سکھ بھی تھے، وہیں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں جو کوششیں اکابرین کی طرف سے ہوئیں ان کے نتیجے میں ہندوستان کے ہر شہری پر- ان لوگوں کو مستثنٰی کرکے جو زرخرید اور انگریز کے غلام تھے- آزادی کا بھوت سوار تھا، چاہے وہ مسلمان تھا، چاہے سکھ یا ہندو، چاہے وہ مدرسہ کا طالب علم تھا یا اسکول و کالج اور یونیورسٹی کا، چاہے وہ دینی تعلیم حاصل کرنے والا تھا یا دنیوی، سبھوں پر آزادی کی دھن سوار تھی؛ بلکہ وہ ایک ہوا تھی جو ہر طرف چل رہی تھی اور ایک آگ تھی جو سب کے سینوں میں جل رہی تھی۔

اس حقیقت کے تناظر میں برادران وطن کا دعوی کرنا کہ ہم ہی آزادی کے علمبردار ہیں، یہ صحیح نہیں، اسی طرح مسلمانوں کا دعوی کرنا اور مسلمانوں میں بھی اپنے اپنے مکتب فکر کے لوگوں کے بارے میں یہ دعوی کرنا صحیح نہیں، یہ اور اس طرح کی باتیں آج سے نہیں بلکہ زمانہ قدیم سے ہی چلی آرہی ہیں، اس میں تعصب کو ضرور دخل ہے، اور یہ ہر جانب سے ایک دوسرے کے تئیں- خدا کے پیغمبروں کو چھوڑ کر- دنیا کے اکثر انسانوں میں موجود ہے، ابھی ۱۰ مئی ۲۰۰۷ء کو پارلیمنٹ کے سنٹر ہال میں ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی یادگار تقریب منائی جارہی تھی، اس موقع پر صدر جمہوریہ، وزیر اعظم اور دوسرے سیاسی لیڈران نیز تعلیم یافتہ لوگ موجود تھے، جس میں نائب صدر جمہوریہ اور راجیہ سبھا کے چیرمین کی طرف سے یہ تأثر دیا جارہا تھا کہ پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہوئی اور اس کی ابتدا میرٹھ سے شروع ہوکر دہلی پر ختم ہوئی؛ لیکن ابھی ہمارے سامنے مولانا ولی رحمانی کا ایک مضمون آیا جس میں انہوں نے اس کو غلط قرار دیا، اور اس کے برخلاف حقیقت کو واشگاف کیا، اور کہا ہے کہ میرٹھ میں ۱۸۵۷ء کی جدوجہد، آزادی کی پہلی مسلح جدوجہد نہیں تھی؛ بلکہ پہلی مسلح جدوجہد کلکتہ میں ۱۷۵۴ء میں ہوئی۔

ایک بزرگ نے ایک صاحب کا نکاح پڑھایا اور اس موقع پر ایک تقریر بھی کی جو بعض رسائل میں چھپی بھی، جس موقع پر اور جس حالت میں یہ خطاب یا تقریر ہوئی اس کے اعتبار سے یہ خطاب تاریخی اہم اور وقیع تھا، مگر ایک سیرت نگار نے جب ان بزرگ کی سیرت وسوانح لکھی تو اس واقعہ کا حاشیہ میں بغیر نام کے صرف ایک سطر میں تذکرہ کیا ہے، ہم یہ نہیں کہتے کہ انہوں نے کسی تعصب سے کام لیا، بلکہ انہوں نے اس واقعہ کو جس انداز سے ذکر کیا تو شاید ان کے نزدیک یہ غیر اہم یا کم اہم تھا، مگر اس طرح سے تاریخ بگڑتی ہے اور حقائق دب جاتے ہیں اگر چہ بعض مرتبہ قلم کار کو خیال تک بھی نہیں رہتا۔

ایک مصنف کی ایک کتاب ایک صاحب نے چھپوانے کی حامی بھری، مصنف کا خیال تھا کہ حسب سابق اس کتاب کی پشت پر بھی مصنف کی دوسری کتابوں کی فہرست چھپ جائے مگر ان صاحب نے اس کو گوارہ نہیں کیا، بلکہ اس سلسلہ میں اپنے بعض مصالح پیش کر کے اس حقیقت کو دبانا چاہا، کہ اس مصنف کی اور بھی کتابیں ہیں۔

بعض علماء مدارس چند مہمانوں کے ساتھ ایک ادارے میں گئے تو صاحب ادارہ نے مہمانوں کا تو خوب اکرام کیا، ان کو تو سر آنکھوں پر بٹھایا، بیچارے علماء حضرات کو لایعباً بہ سمجھ کر ان پر گھاس بھی نہیں ڈالا، مزید یہ کہ جب اپنے رسالے میں واردین اور صادرین کا تذکرہ کیا تو ان مہمانوں کا تو ذکر کیا؛ لیکن جو علماء ان مہمانوں کو وہاں لے کر گئے ان کا تذکرہ تک نہیں کیا، حالانکہ وہ علماء غیر اہم نہیں تھے، اداروں کے ذمہ دار تھے، اہل قلم اور صاحب تصانیف تھے، تاریخ جب لکھی جائے گی تو ان کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، مگر ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخ کو مروڑنے توڑنے کا دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانا صحیح نہیں، تاریخ کو ہم لوگ خود ہی مروڑتے ہیں، حقائق کو ہم لوگ چھپاتے ہیں، اور جس کا جہاں بس چلتا ہے، وہ دوسروں کے تئیں اپنی احتیاط کا بھرپور مظاہرہ کرتا ہے اور پھر ہم ہی خود اپنی مجلسوں میں اس کا ذکر کرتے ہیں کہ فلاں مؤرخ نے انصاف سے کام نہیں لیا، اس نے تعصب یا جانبدارانہ رویہ اختیار کیا، حقیقت یہ نہیں بلکہ اس طرح ہے، گویا خود تو قلم جس طرف چاہے چلائے، مگر یہی کام اگر دوسرے نے کیا تو وہ متعصب اور جانبدار ٹھہرا، بھلا ایسی صورت میں تاریخ کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ تاریخ کا جو پارٹ ہمارے حصے میں ہے، ہم اس کو ضرور صحیح انداز پر مرتب کریں، تعصب واحتیاط کو ایک طرف رکھ کر حقیقت پسندی کا مظاہرہ کریں، ورنہ تاریخ ظالم بھی ہے وہ آپ کو بھی بھلا سکتی ہے۔

اهل مدارس کے لیے خوشخبری

نقوش اسلام میں اشتہار دے کر رمضان کے مبارک موقع سے فائدہ اٹھائیں

تمام اہل مدارس کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ماہنامہ ''نقوش اسلام'' شعبان ورمضان کا مشترک شمارہ ہوگا، جس میں مدارس کے اشتہارات کے شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے گا، اس لیے جن مدارس کے ذمہ داران اپنے مدارس کی تفصیلات مع احوال وکوائف، گوشوارہ آمد وخرچ اور چندے کے لیے اپیل شائع کرانا چاہیں تو وہ ۲۰؍اگست ۲۰۰۷ء تک اپنے اپنے اشتہارات دفتر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کو پہنچادیں۔

نوٹ: اشتہارات کی شرح رسالہ کے دوسرے صفحہ پر درج ہے.................................. (ادارہ)

لائحہ عمل

نسل نو کے لیے تعلیم کو کیسے مفید بنائیں

مولانا اسرار الحق قاسمی، صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، نئی دہلی

اسلام نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے، اللہ رب العزت نے خود حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم دی اور انہیں چیزوں کے نام سکھائے، ارشاد باری ہے ''اور آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھلائے'' (بقرہ ۳۲) حضرت خضر علیہ السلام کو بھی من جانب اللہ تعلیم دی گئی، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ''ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی ہے اور اپنے پاس سے علم سکھایا ہے'' (الکہف ۶۵) اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں اور لباس بنانا سکھایا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولی سکھائی، فرمان خداوندی ہے ''حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور کہا: اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولیاں سکھادی گئیں اور ہر چیز عطا کی گئی، بے شک اللہ کی کھلی مہربانی ہے'' (النمل ۱۶) حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیر سکھائی گئی، حضرت موسیٰ کی والدہ کو ہدایت دی گئی کہ وہ کس طرح سے موسیٰ کی حفاظت کریں، تعلیم وتعلم کا یہ سلسلہ ازل سے جاری ہے، البتہ اس کی تکمیل خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہوئی کہ اب آسمان سے براہ راست وحی اور علم اور علم کا نزول نہیں ہوگا، قیامت تک کے لیے جن علوم کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نازل کر کے اس کی تکمیل کردی اور ارشاد فرمایا ''میں نے آج تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور آپ پر اپنی نعمتوں کو پورا کردیا اور بطور دین کے اسلام کو تمہارے لیے پسند کیا''۔ (المائدہ ۳)

چنانچہ سب سے پہلے وحی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی، اس میں پڑھنے کا حکم ہے اور نہ صرف پڑھنے کا حکم ہے؛ بلکہ اس پالنہار اور پروردگار کے نام سے تعلیم کی ابتداء کرنے کا بھی حکم ہے، جو خالق ہے، پالنہار ہے، فرمایا گیا ''پڑھئے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا'' (العلق ۱) معلوم ہوا کہ علم وہی معتبر ہے جس کی نسبت اللہ کی ذات ہو، جس سے اللہ کی معرفت ہو اور وہ علم اس کی رضا اور خوشی کا ذریعہ ہو اور سیکھنا، سکھانا، پڑھنا، پڑھانا وہی معتبر ہے جس کی ابتداء اللہ کے نام سے کی جائے، اگر اس علم سے اللہ کی رضاء حاصل نہ ہو تو وہ علم بے فیض ہے، اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں اس کی کوئی حیثیت نہیں، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''اے موسیٰ ہمارے لیے ایک ایسا معبود بنائیے جیسا کہ ان کا معبود ہے، حضرت موسیٰ نے فرمایا: ''بے شک تم جاہل لوگ ہو'' (اعراف ۱۳۸) اور ایسے ہی حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا ''تمہیں معلوم ہے تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیسا برتاؤ وسلوک کیا، بے شک تم جاہل لوگ ہو'' (یوسف ۸۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی اور ساتھ ہی ایسی چیزوں سے منع فرمایا جو زمانہ جاہلیت کی بقایا ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اربع فی امتی من امر الجاهلية لايتركون '' میری امت میں چار چیزیں جاہلیت کی ہیں، جس کو وہ لوگ نہیں چھوڑتے ''الفخر في الاحساب'' حسب (اونچی ذات اور برادری) پر فخر کرنا ''والطعن في الانساب'' نسب میں طعنہ دینا ''والاستسقاء بالنجوم'' ستاروں کے ذریعہ بارش طلب کرنا ''والنياحة'' اور نوحہ کرنا'' (مشکوۃ ۱۵۰) یہ ساری

چیزیں، ان کے پاس اپنے آباء واجداد سے علمی وراثت میں آئی ہیں؛ لیکن یہ علم چونکہ اللہ اوراس کے رسول کی ناراضگی کا سبب ہے، اور یہ علم ذات باری تعالی سے لوگوں کو دور کرتا ہے، اس لیے ایسا علم اللہ کے نزدیک مقبول نہیں ہے، اوراس کوامور جاہلیت میں شمار کیا گیا۔

اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا ہے، اس لیے وہ اس کونفع ونقصان پہنچانے والی چیزوں سے بھی خوب واقف ہے، چنانچہ وہ ایسی چیزیں کرنے کا حکم دیتا ہے، جن میں اس کی جان ومال، عزت وآبرو، عقل اوردین کی حفاظت ہواور جو چیزیں اس کے حق میں مضر ہیں ان کو حرام قرار دیتا ہے، اوران سے بچنے کا حکم فرماتا ہے، جیسے کہ اللہ رب العزت نے ارشادفرمایا ''اورزنا کے قریب مت جاؤ'' (الاسریٰ ۳۲) اسلام سے پہلے جب کہ سائنس اورطب کے میدان میں اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی کہ لوگ ولادت سے پہلے حمل کے بارے میں جان لیں کہ وہ بچہ ہے یا بچی؛ لیکن اب سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ الٹراساونڈ اورایکسرے کے ذریعہ یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ رحم مادر میں پلنے والا بچہ یا بچی، اس الٹراساؤنڈ مشین یا ایکسرا جس کے ذریعہ سے رحم مادر میں پرورش پانے والے بچے کی جنس کی بابت معلوم ہوتا ہے، اس لیے اس کا ایک نقصان یہ سامنے آیا ہے کہ جب اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا لڑکا ہے تو اس کی خوب قدر کی جاتی ہے، اوراس کی حفاظت کے سوجتن کیے جاتے ہیں اور جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رحم مادر میں لڑکی کی پرورش ہورہی ہے تو متعدد مقامات پر دیکھا جاتا ہے کہ اس عورت سے بھی نفرت کا اظہار ہونے لگتا ہے اور اس حمل سے بھی، بعض اوقات اس حمل کو ضائع کرنے کی تدبیریں بھی کی جانے لگتی ہیں، عام طور سے اس طرح کے حمل آپریشن (صفائی) کے ذریعہ ساقط کئے جاتے ہیں، گویا جان بوجھ کر آپریشن کے ذریعہ ایک بچی کو قتل کیا جاتا ہے، اگرچہ یہ قانوناً جرم ہے، مگر اس کے باوجود درپردہ روزمرہ اس طرح کے کتنے ہی واقعات پیش آرہے ہیں، اس کا اندازہ کبھی کبھی شائع ہونے والی اخبار کی رپورٹوں سے ہوتا ہے، چند ہفتوں پہلے ''گڑگاؤں'' میں ایک ایسے نرسنگ ہوم کا انکشاف ہوا جہاں بچیوں کو آپریشن کے ذریعہ رحم مادر میں ہی ماردیا جاتا تھا، خبروں کے مطابق یہ کام ایک بڑا ڈاکٹر انجام دیتا تھا، ڈاکٹر کے اس گھناؤنے کام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کی سوچ انتہائی ناقص تھی، اورایسے ہی جو لوگ الٹراساؤنڈ کرکے یہ بتاتے ہیں کہ رحم مادر میں کیا ہے، وہ بھی جذبہ انسانیت سے عاری ہوتے ہیں، اورمحض دولت سے محبت رکھتے ہیں، جب کہ اگر الٹراساؤنڈ کی رپورٹ دینے والے کسی بھی صورت میں جنس کے بارے میں نہ بتائیں اورمحض یہ بتائیں کہ رحم مادر میں بچہ صحت یاب ہے یا نہیں، یا اسے کس چیز کی ضرورت ہے، اوراس کی حرکت (Movement) ٹھیک ہورہی ہے یا نہیں، تو ان مشینوں کا استعمال درست ہوتا اور رپورٹ دینے والے بھی خدمت خلق کا فریضہ انجام دینے والے ہوتے، آخر سوچ میں یہ تبدیلی کیوں واقع ہوئی؟ دراصل عام طور سے یہ اس منفی سوچ کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بعض لوگ ڈاکٹر بنتے وقت انسانیت وخدمت خلق کا جذبہ کم اوردولت کے حصول کا جذبہ زیادہ رکھتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بچیوں کو پیدائش کے بعد زندہ دفن کردیا جاتا تھا، بیٹی، ابا، ابا پکارتی رہتی لیکن باپ کی شقاوت قلبی میں ذرا بھی نرمی پیدا نہ ہوتی، اللہ رب العزت نے اس ظالمانہ طور طریقے سے لوگوں کو روکا اور اس پر وعید نازل فرمائی ''جب زندہ دفن کی گئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس جرم میں قتل کی گئی (التکویر ۸،۹) ایک قتل اور ظلم کی صورت وہ تھی جس کو جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اورایک قتل اورظلم کی صورت یہ ہے جس کو جاہلیت سے تعبیر نہیں کیا جاتا، جب کہ فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت بچیوں کو پیدائش کے بعد قتل کیا جاتا تھا اورآج رحم مادر میں صفائی وآپریشن کے ذریعہ بچیوں کے قتل کے اسباب میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے، آج بعض جگہ بچیوں کو بری نظر سے اس لیے دیکھا جاتا ہے اوران کی پیدائش پر مسرت کے بجائے تکلیف اس لیے ہوتی ہے کہ پہلے سے ذہن میں یہ بات رہتی ہے کہ بچی بڑی ہوگی

تو اس کی شادی کرنی پڑے گی ، جہیز کا انتظام کرنا پڑے گا ، داماد کے مطالبات پورے کرنے پڑیں گے ، یہ سب چیزیں کیسے ہوسکیں گی ، اس لیے لڑکی کا نہ ہونا بہتر تھا ، لڑکا ہوتا تو ایک اور لڑکی گھر میں آ جاتی اور ساتھ میں سامان بھی ملتا ، افسوس کہ اپنی ہی بنائی ہوئی رسموں میں پھنس کر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو توڑا جاتا ہے ، آج کل تو زیادہ بچوں کے نہ ہونے کی خواہش کے تحت بھی رحم مادر میں بچوں کے قتل کرنے سے متعلق خاصے واقعات سامنے آرہے ہیں ، کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ زیادہ بچوں کی پیدائش کو دقیانوسیت اور کم بچوں کی پیدائش کو روشن خیالی تصور کیا جاتا ہے ، لیکن کم بچوں کی چاہت میں رحم مادر میں پلنے والے کتنے ہی بچوں کو جن میں روح بھی پڑ چکی ہوتی ہے ، محض رزق کے خوف سے قتل کرنے کو جاہلیت نہیں کہا جاتا ہے ، حالانکہ رزق کا انتظام اللہ کرتا ہے ، چاہے آج کا انسان رحم مادر میں بچوں کے قتل کو کتنی ہی بڑی ترقی کا نام کیوں نہ دے لیکن اللہ رب العزت کے نزدیک یہ انتہائی ظلم اور جرم کی بات ہے ، اس لیے وہ ایسے سنگین جرم کا ارتکاب سے منع فرماتا ہے ، ارشاد باری ہے ”تم اپنی اولاد کو مفلس رہنے اور رزق میں تنگی ہونے کے خوف سے قتل مت کرو ، ہم ہی ان کو اور تم کو رزق دیتے ہیں ، ان کو قتل کرنا یقیناً ایک بڑا گناہ ہے“ (اسری ۳۱)

اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ کسی بھی علم کو سیکھنے سے پہلے مقصد کا تعین کرلیں ، اگر ہمارا مقصد نیک ہوگا تو اس کام کے کرنے پر اجر بھی مرتب ہوگا ، دنیا میں بھی کامیابی ہوگی اور آخرت میں بھی ، ہم نے اپنے کو اسکول میں داخل کرایا اور نیت یہ کرلی کہ اسے ایسا ڈاکٹر بنانا ہے ، جو ہر طبقہ کے مریضوں کا علاج کرے گا ، ساتھ ہی غریبوں ، محتاجوں اور ناداروں کا بھی علاج کرے گا ، تو اب دنیا بھی ہاتھ آئے گی اور آخرت بھی اور اگر نیت یہ کہ ہمیں اپنے بچے کو ایسا ماہر ڈاکٹر بنانا ہے ، جس کی فیس زیادہ سے زیادہ ہوگی تاکہ خوب آمدنی ہو تو آخرت میں کچھ نہ ملے گا اور دنیا میں بھی کامیابی یقینی نہیں ہوگی ، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث ”انما الاعمال بالنیات“ (عمل کی صحت اور عدم صحت کا دارومدار نیت پر ہے) کو ذہن میں رکھنا چاہئے اور نیت کی تصحیح کرلینی چاہئے ، بچے قوم وملت کے عظیم سرمایہ ہیں ان کی قدر کرنا اور ان کی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دینا انتہائی ضروری ہے ، لیکن دوران تعلیم والدین اپنے بچوں کی نگرانی رکھیں کہ ان کے بچے صحیح وقت پر اسکولوں و مدرسوں میں جارہے ہیں یا نہیں اور صحیح وقت پر واپس آرہے ہیں یا نہیں ، ایسے ہی انہیں اس بات کی بھی خبر رکھنی چاہئے کہ ان کے بچے اسکولوں ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں کس طرح شب وروز گزار رہے ہیں ، آیا وہ تعلیمی سرگرمیوں میں ہی منہمک ہیں یا غیر تعلیمی معاملات میں ملوث ہیں ، ان باتوں پر توجہ دینا اس لیے لازمی ہے کہ آج کل کالجوں و یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ہونے کی وجہ سے کتنے ہی لڑکے و لڑکیاں اپنے مقصد سے ہٹ کر لایعنی باتوں میں وقت گزار دیتے ہیں ، اپنے بچوں کی فکر وذہنیت پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے ، کہ کہیں وہ غیروں کی فکر سے متاثر تو نہیں ہو رہے ہیں اور ان میں خدمت خلق اور دینی جذبہ سے بے زاری تو نہیں پائی جارہی ہے ، ایسے بھی متعدد واقعات سامنے آئے ہیں کہ مسلم بچے ذہنی طور پر دوسروں سے اتنے متاثر ہوئے کہ وہ مادیت پسند ہی بن کر رہ گئے ، کتنوں نے غیر مسلم لڑکیوں سے شادی کرلی اور کتنی لڑکیوں نے غیر مسلم لڑکوں سے شادی کرلی ، معلوم ہوا کہ اگر فکر میں تبدیلی آگئی اور دینی رجحان ختم ہوگیا اور اس کی جگہ محض مادیت ، مغربیت اور عریانیت نے لے لی تو پھر تعلیم سودمند نہیں رہتی اور اس سے وہ مقاصد پورے نہیں ہو پاتے جو ہونے چاہئے ، ایسے حالات میں بچوں کو آگے چل کر سخت گناہوں کے ارتکاب سے محفوظ رکھنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

////☆☆☆☆/////

found.

اخلاق واحسان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ازدواجی رشتہ

پروفیسر بدرالدین الحافظ، جامعہ نگرنئی دہلی ۲۵

ازدواجی زندگی کا خوشگوار زمانہ کم وبیش ہرانسان کے سامنے آتا رہاہے، اورانبیاء، صلحاءبھی اس دور سے گزرے ہیں، پھر ہرایک کی زندگی نے اپنے پیچھے بہت سے واقعات، عبرتیں اور نصیحتیں چھوڑی ہیں اس سلسلہ میں آج ہم حضرت موسی علیہ السلام کی حوادث وواقعات سے لبریز مجاہدانہ زندگی کے اس گوشہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کا رشتہ کس طرح ہوا، اس کے لیے وقت مقررہ پر مشیت ایزدی نے کیسے راہیں ہموار کیں، یہ دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی، اس واقعہ کو جستہ جستہ قرآن حکیم کی سورہ القصص میں بیان کیا گیا ہے۔

واقعہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام نے ایک مرتبہ ایک قبطی کو جب بنی اسرائیل کے ایک کمزور شخص پر ظلم کرتے دیکھا تو اسے ایک مکامار دیا اور وہ ہلاک ہوگیا، یہ خبر فرعون کے دربار میں پہونچی تو اس کی طرف سے گرفتاری کا حکم جاری ہوگیا اور حضرت موسی علیہ السلام کو ان کے ایک ہمدرد نے یہ خبر پہنچادی، تو آپ نے فوراً شہر چھوڑ دینے کا ارادہ کیا اور مدین کی سمت نکل پڑے۔

راستہ میں نہ کوئی ساتھی، نہ رہنما، گرفتاری کا خوف، اس لیے بھاگتے بھاگتے تلوؤں میں چھالے پڑ گئے، بہرحال کسی طرح پریشان حال مدینہ شہر کی حدود میں داخل ہوئے مگر شہر کے اندر پہنچنے سے پہلے دیکھا کہ ایک کنوئیں پر ہجوم لگا ہے، طاقتور لوگ اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور دو کمزور لڑکیاں اپنے جانوروں کو لئے الگ کھڑی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ جو حال مصر میں تھا وہی یہاں بھی ہے، طاقتور کمزور پر غالب ہے، یہ اگر چہ تھکے ماندے تھے مگر غیرت آئی کہ میری موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے، اٹھے اور جا کر عورتوں سے پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ انھوں نے کہا ان چرواہوں کے واپس چلے جانے تک ہم پانی نہیں پلا سکتے، بس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجمع کو ہٹا کر خود ڈول کھینچا اور بکریوں کو پہلے پانی پلا دیا اور لڑکیاں خوشی خوشی بکریاں لے کر گھر گئیں، جب وقت سے پہلے پہنچیں تو ان کے والد نے جلدی آنے کی وجہ پوچھی، اس پر ایک لڑکی نے نوجوان کی مدد کا سارا واقعہ سنادیا، ان کے والد یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ واقعہ سنا تو فوراً اپنی بیٹی کو بھیجا کہ اس نوجوان کو بلالاؤ، چنانچہ وہ نہایت شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی وہاں پہنچی اور بولی میرے والد بزرگوار آپ کو یادفرمارہے ہیں؛ کیونکہ وہ اس احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں جو آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے، حضرت موسی علیہ السلام اس سے پہلے بارگاہ رب العزت سے دعا کر چکے تھے، اب لڑکی پہنچی تو انہیں خیال آیا کہ شاید میری دعا قبول ہوگئی، اس لیے فوراً چل دئے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر اپنے سارے حالات سنادئے، حضرت شعیب علیہ السلام نے سن کر فرمایا اب کسی خوف کی ضرورت نہیں ہے، اللہ کا شکر ہے کہ تمہیں ظالموں سے نجات مل گئی، اس گفتگو کے دوران جب لڑکی نے نوجوان کی باتوں میں معقولیت کا اندازہ لگالیا تو والد سے کہا "یاابت استاجره ان خير من استاجرت القوی الامین "(القصص ۲۶) ''ابا جان آپ اس شخص کو اجرت پر رکھ لیں کیونکہ اچھا خادم جس کو آپ رکھنا چاہتے ہیں وہ ہے جو زورآور اور امانت دار ہے''۔

لڑکی کے اس معقول مشورہ نے والد کو تھوڑی دیر کے لیے تعجب میں ڈال دیا اور انہوں نے کھل کر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سوال کیا کہ تجھے اس مہمان کی قوت اور امانت کا حال کیسے معلوم ہوا؟ لڑکی نے اس پر بے دھڑک مدلل جواب دیا کہ میں نے مہمان کی قوت کا اندازہ تو ایسے کیا کہ بڑا ڈول اس نے تنہا بھر کر کھینچ لیا اور امانت کی آزمائش اس طرح کی کہ جب میں اس کو بلانے گئی تو اس نے مجھے دیکھ کر نیچی نظریں کر لیں اور گفتگو کے دوران ایک دفعہ بھی میری طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا، اور جب یہاں آنے لگا تو مجھے پیچھے چلنے کے لیے کہا اور خود آگے چلا اور میں صرف اشاروں سے اس کی رہنمائی کرتی رہی۔

بزرگ باپ بیٹی کی ان باتوں کو بڑی خوشی سے سنا اور پوری طرح مطمئن ہوکر نوجوان سے نکاح کر دینے کا اظہار کیا، اور پھر صرف نکاح کر دینے کی بات ہی نہیں کہی بلکہ اس کے لیے اپنی شرط بھی واضح کر دی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دین مہر کے لیے ان کے پاس کیا رکھا ہے، ان سے تو جسمانی کام ہی لیا جا سکتا ہے، چنانچہ فرمایا اگر تم آٹھ سال تک میری نوکری کرو تو میں ان دو میں سے ایک بیٹی کا نکاح تم سے کر دوں گا اور تم اس مدت کو بڑھا کر دس کر دو تو اور بھی بہتر ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور فرما لیا اور بزرگ میزبان نے اس بیان کردہ مدت کو ہی مہر قرار دے کر باہم رضامندی سے اپنی بیٹی صفورہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی کر دی۔

ملاحظہ فرمائے! نہ بارات کہیں گئی، نہ آئی، نہ جہیز، نہ دعوت، نہ شامیانہ، نہ گانہ بجانہ، خاموشی سے ایک نبی زادی سادگی کے ساتھ نبی کے گھر میں آ گئی اور بوڑھے باپ کا خوش اسلوبی سے بوجھ ہلکا ہو گیا۔

اس واقعہ میں غور طلب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کنوئیں کے پاس کمزور عورتوں کی ضروریات کو محسوس کیا تو اعانتی قدم اٹھایا، اس میں وہ بالکل نہیں جھجکے جس کو ہم محض ایک پیغمبرانہ احساس اور ہمدردی کا جذبہ کہہ سکتے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں، مگر اس لڑکی کے پاکیزہ کردار میں لاشعوری نفسانی جذبہ سے صرف نظر کرنا مشکل ہے جب کہ قرائن بھی ساتھ دے رہے ہوں، یہاں فطری جذبہ اور شبابی عمر کے تقاضے کے مطابق لڑکی کا میلان حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نوجوان کی جانب ہو جانا بعید از قیاس نہیں جس کے لیے حالات ماحول اور ضرورت ہر چیز کے مطابقت موجود تھی، لڑکی کو علم تھا کہ ہمارے والد ضعیف ہیں اور ہر ضعیف العمری باپ کو اپنی جوان بیٹیوں کی طرف سے فکر دامن گیر ہوتی ہے جب کہ غالباً والدہ بھی موجود نہیں تھیں کیونکہ ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا، پھر ہر لڑکی یا اس کے سرپرست رشتہ ازدواج کے لیے لڑکے میں جن خوبیوں اور صلاحیتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں وہ اس کی صحت روزگار کی صلاحیت اور کردار جیسی قدریں ہوتی ہیں، اس واقعہ میں لڑکی کے سنہرے جو الفاظ نکلے وہ بالکل یہی ہیں، مگر چونکہ لڑکی نہایت سمجھدار پاکیزہ ذہن رکھنے والی نبی زادی تھی اس لیے اس نے نفسانی اور سماجی، اخلاقی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بالکل جائز اور باضابطہ طریقہ اختیار کیا جو والد کی رضامندی، معاملات کی وضاحت لڑکے کے حالات سے بخوبی واقفیت کے ساتھ صبر وضبط کا متقاضی تھا، چنانچہ پورا معاملہ درست انداز میں انجام تک پہنچا اور ایک مقدس ازدواجی رشتہ عمل میں آ گیا، یہ واقعہ آج بھی غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے۔

انصاف کی قدروقیمت

حکومت کرنے والوں، سیاست دانوں، دانشوروں، عالموں، شاعروں، فلسفیوں، مفکروں اور ادیبوں کو ترازو ہی کی طرح منصف ہونا چاہئے، امریکہ میں اگر انصاف ہوتا تو اسرائیل کا خنجر عربوں کے سینہ میں نہ گھونپا جاتا، برطانیہ میں انصاف ہوتا تو سو برس ہمیں غلام نہ رہنا پڑتا، ہماری جائیدادیں تباہ، ہماری صنعت وحرفت مفلوج نہ ہوتی، ہمارے سر پر آرے نہ چلائے جاتے، نوآبادیاتی نظام دنیا میں قائم نہ ہوتا اور اگر آج ہمارے ملک میں انصاف ہوتا تو فسادات نہ ہوتے، شکایتیں نہ ہوتیں، مقدمات عدالتوں میں نہ جاتے، اسٹرائک اور مظاہرے نہ ہوتے، جب انصاف تھا تو شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔ (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

مراحل زندگی

دوسری قسط

روشن مستقبل کا جوان

ڈاکٹر سیف راشد جابری، دوبئی...................ترجمانی: مولانا عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکلی

جوانی میں عقلی اور جسمانی نشوونما:

سب سے بہتر عمر جوانی کی ہے اور جوانی کی یادیں ہمیشہ باقی رہتی ہیں کیونکہ جوش، جذبہ، ولولہ اور چستی کے اعتبار سے یہ سب سے زیادہ بہترین اور شیریں عمر ہے، اس عمر میں عقل اور جسم دونوں کی نشوونما ہوتی ہے، اسی کے ساتھ نفسیاتی اور جذباتی نشوونما بھی ہوتی ہے، اس عمر میں حصول علم ومعرفت میں بڑی محنت کی جاسکتی ہے، اور معاشرتی کاموں میں جوش وجذبہ زیادہ پایا جاتا ہے، کیونکہ اس عمر میں کسی ایسی چیز کی طرف نسبت کی شدید رغبت اور خواہش رہتی ہے، جس کے ذریعہ اس کی شخصیت ابھر کر سامنے آئے، اس عمر میں اس کی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے مناسب سرگرمیوں کی انجام دہی سے اس کی یومیہ زندگی کا بہتر انداز میں گزرتی ہے اور اس کا بہترین منہج وجود میں آتا ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ انسان کی کوئی بھی عمر بچپن، مراہقت اور جوانی اس کی زندگی میں دوبارہ لوٹ کر نہیں آتی، انسان کی سب سے بہترین عمر جوانی کی ہے، اس میں کسی بھی چیز کا شوق زیادہ پایا جاتا ہے، اور سب سے بہترین یادیں اسی عمر کی رہتی ہے، کیونکہ اس عمر میں جوش وجذبہ اور طاقت وقوت زیادہ پائی جاتی ہے، اسی وجہ سے ہمیں نظر آتا ہے کہ ہر بوڑھا اور ادھیڑ جوانی کی عمر میں واپس جانا چاہتا ہے، لیکن افسوس! یہ عمر جاچکی ہے، اور اس کا واپس آنا ناممکن......

أَلا ليت الشباب يعود يوماً   فأُخبره بما فعل المشيبُ

کاش کسی دن جوانی لوٹ آتی، تو میں اس کو بتاتا کہ بڑھاپے نے میرے ساتھ کیا کیا۔

ليت وهل تنفع شيئاً ليت   ليت شباباً بوع فاشتريت

کاش! کیا کاش کہنے سے کوئی فائدہ ہوگا، کاش جوانی کہیں بکتی جاتی تو میں خرید لیتا۔

عقل اور جسمانی نشوونما حصول علم معرفت میں نوجوانوں کی صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف رہتی ہے، خصوصاً تعلیمی میدان میں، اس میدان میں نوجوان کے ذہن میں بہت سے سوالات اٹھتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے معاشرہ کو دیکھتا ہے کیونکہ وہ بھی اس کا ایک حصہ ہے، اسی لیے معاشرہ کی صلاح وفلاح چاہتا ہے، اور زندگی کے بعض ان عادتوں اور طریقوں کو بدلنا چاہتا ہے، جن کو وہ غلط سمجھتا ہے، چنانچہ وہ اپنے اور اپنے آس پاس میں تبدیلی لانے کی کوشش کرتا ہے، اسی وجہ سے نوجوانوں کو صحیح مقصد تک پہنچانے کے طریقہ اور غلط صحیح کے درمیان فرق کرنے کے اسلوب کو جاننا ضروری ہے، تاکہ نوجوان بری صحبت سے بچ کر صالح صحبت اختیار کرے اور صحیح طریقہ اپنائے، کیونکہ یہ بڑا پرخطر مرحلہ ہوتا ہے، اس عمر کو شر وفساد کے لیے کوشاں افراد نوجوانوں کا نہج بدلنے، ان کے اخلاق اور صلاحیتوں کو بگاڑنے اور ان کو اپنی ضرورتوں کے لیے استعمال میں لانے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں نوجوان کو یوں ہی نہیں چھوڑنا چاہئے، بلکہ ان کا ساتھ دینا ضروری ہے، خصوصاً بڑوں کے ساتھ ان کو رکھا جائے، تاکہ وہ اپنے بڑوں کی پیروی کریں اور ان سے صحیح اور صالح تربیت حاصل کریں، حضرت اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں بہترین جوان وہ ہیں جو اپنے بوڑھوں کی مشابہت

اختیار کریں اور بدترین بوڑھے وہ ہیں جو اپنے جوانوں کی مشابہت اختیار کریں۔(مسند ابی یعلی،المعجم الکبیر للطبرانی،شعب الایمان للبیہقی)

عربی شاعر کہتا ہے:

فتشبّهوا ان لم يكونوا مثلهم   ان التشبُّهَ بالكرام فلاح

چنانچہ تم مشابہت اختیار کرو(شریف لوگوں کی) اگر چہ تم ان کی طرح نہیں ہو، کیونکہ شریف لوگوں کی مشابہت میں کامیابی ہے۔

نوجوان اپنی قوم کا سرمایہ ہے اور اپنی امت کی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی پیداوار ہے، ہر معاشرہ ایسے نوجوانوں کا محتاج اور ضرورت مند ہے، جو پوری قابلیت، اخلاص، علم ومعرفت، ایمان اور قوت وامانت کے ساتھ مختلف میدانوں میں اس کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا کام کریں، اسی وجہ سے معاشرہ اور قوم کے لیے ضروری ہے کہ وہ نوجوانوں کو ضیاع اور انحراف سے بچانے کا کام کریں۔

ہم اپنے نوجوانوں کی کس طرح حفاظت کر سکتے ہیں؟ ذیل میں نوجوانوں کی حفاظت کے لیے چند ہدایات پیش کی جارہی ہیں:

(۱) فارغ اوقات کو استعمال میں لانا:

یہ بات معلوم ہے کہ وقت کو روکا نہیں جاسکتا کیونکہ وقت کائناتی چیزوں سورج، چاند، رات اور دن کی طرح متعین ہے، البتہ انسان اور وقت لازم وملزم ہے، کیونکہ وہ اسی میں رہتا ہے، اسی وجہ سے وقت کے استعمال کو جاننا اور اس کو بغیر کسی فائدہ کے یوں ہی گزرنے نہ دینا ضروری ہے، اہل علم کا مقولہ ہے: وقت کی دو قسمیں ہیں، کام کا وقت اور راحت کا وقت، کام کے وقت کو بہت سے لوگ ضائع کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں فارغ وقت پیدا ہو جاتا ہے، فارغ وقت پیدا ہونے کے بھی چند اسباب ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مقاصد متعین نہ کرنا۔

۲- مقاصد کو حاصل کرنے کا منصوبہ نہ بنانا۔

۳- وقت کو منظم نہ کرنا۔

اسی وجہ سے ہر انسان کو خصوصاً نوجوانوں کو اپنے وقت کو پہچاننا ضروری ہے؛ کیونکہ ان کے پاس فارغ اوقات زیادہ رہتے ہیں، جو راحت کے وقت کے ساتھ مل جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کا پورا کا پورا وقت کسی فائدہ اور نفع کے بغیر راحت اور آرام میں گزر جاتا ہے۔

اسلام نے مسلمان کے لیے کوئی فارغ وقت نہیں چھوڑا ہے، بلکہ وقت کو اللہ کی اطاعت اور زندگی کی تعمیر وترقی کے لیے عمل خیر میں مشغول رکھا ہے، اسی وجہ سے اللہ کی طرف سے عطا کردہ نعمت ہے، مسلمان کو اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس کا شکر یہ ہے کہ وقت کا استعمال نفع بخش کاموں اور زندگی کی تعمیر وترقی میں کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو نعمتیں ہیں جن کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، صحت اور فراغت"۔(صحیح بخاری ۲۳۵۷/۵)

فراغت کی دو قسمیں ہیں:

۱- ایسی فراغت جو عمل صالح سے معمور ہو، اس سے معاشرہ فائدہ اٹھاتا ہے، یہ نافع بھی ہے اور قابل تعریف بھی، اسی کے ذریعہ زمین میں سعی وکوشش سے انسان کی عبودیت اور بندگی پایہ تکمیل تک پہنچتی ہے، انسان کی تخلیق کی یہی حکمت ہے۔

۲-فراغت کی دوسری قسم وہ ہے جس کو عمل صالح میں استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ خالی اوقات گنہ گار ہاتھوں یا قاتل نفسانی وسوسوں کی گرفت میں پڑ کر گھٹیا افکار اور برے ارادوں کی شکار ہو جاتے ہیں، یہ قابل مذمت بھی ہے، اور انسانی فطرت اور اس کی تخلیقی حکمت کے خلاف بھی، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک گورنر سے فرمایا، اللہ تعالی نے ہاتھوں کو کام کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، اگر یہ اطاعت وفرمانبرداری کا کوئی کام نہیں کر پاتے ہیں تو برے کاموں کی تلاش شروع کر دیتے ہیں، اس کا علاج بہت آسان ہے، وہ یہ کہ خالی وقت کو پر کیا جائے، سائنسی اور علمی آماجگاہوں میں تفریحی وسائل کا استعمال کیا جائے اور نوجوانوں کو خود ان کے لیے اور ان کے معاشروں کے لیے مفید کاموں پر ابھارنے والے مختلف پروگراموں کے انعقاد کے ذریعہ ثقافتی اور تہذیبی

ثمرات ونتائج میں اضافہ کیا جائے۔

(۲) مفید متبادل کی تیاری:

نوجوان اپنے نفس کے شیطانی جذبات اور جسمانی شہوتوں کے تابع بن کر بلند اقدار اور شریفانہ اخلاق کو برباد کردینے والی مؤثر فاسد چیزوں کے شکار بن جاتے ہیں، اسی لیے ان فاسد چیزوں کا مفید متبادل تیار کرنا ضروری ہے، اس کے لیے یہ کام کرنا پڑے گا کہ دوسری نسلوں کے ساتھ ان کو شریک کرکے ان کی عقلوں میں تبدیلی لائی جائے اور نوجوانوں کی ملاقاتوں اور سیاحتی اسفار کا انتظام کیا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کو مفید کاموں پر ابھاریں، یہ بڑی خوش آئند بات ہوگی اگر ہم ان نوجوانوں پر توجہ دینے والے کام کو عملی شکل دیں، قدیم اور جدید دونوں تربیتی مناہج میں نوجوانوں پر بڑی توجہ دی گئی ہے، اسی لیے مختلف کھیل اور دلچسپیوں کے سامان اور مفید سرگرمیوں کے ذریعہ نوجوانوں کی صلاحیتوں اور طاقت وقت میں اضافہ کیا جائے، کیونکہ صحیح سالم جسم ہی عقل سلیم کی آماجگاہ ہے۔

ماضی میں بھی اور آج بھی حکومتوں نے مختلف تہذیبی اور تربیتی امور کے ذریعہ جسموں کو پروان چڑھانے اور ترقی یافتہ مناہج تعلیم کے ذریعہ نوجوانوں کی عقلوں کی نشوونما کی طاقت وقوت پر توجہ دیتا ہے، اور اس کو ترقی دینے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ اسلام نے ریاضت وکسرت کی تمام قسموں اور میدانوں کی طرف مسلم نوجوان کی رہنمائی کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''اپنی اولاد کو تیراندازی اور تیراکی سکھاؤ اور ان کو حکم دو کہ وہ چھلانگ لگا کر گھوڑے پر سوار ہوجائیں''، اسی کے ساتھ ساتھ اسلام نے علوم شرعیہ کی معرفت کے حصول کے لیے علمی میدان کی طرف رہنمائی کی ہے، جس سے نوجوان قیادت سنبھالنے کا اہل ہوجاتا ہے، اور گناہوں کے دلدل میں پھنسنے سے بچتا ہے۔

اسلام نے توحیدی رہنمائی میں دلچسپی لی ہے جس سے نوجوان کی صلاحیتیں انحراف سے محفوظ رہتی ہیں اور خیر کے کاموں میں ان کی ترقی ہوتی ہے، کیونکہ صلاحیت بھی خود ایک طاقت ہے، جس کو خیر یا شر کے پہلوؤں میں استعمال کیا جاسکتا ہے، کوئی صلاحیت اچھی یا بری نہیں ہوتی بلکہ اس کی رہنمائی اور استعمال سے وہ صلاحیت خیر بنتی ہے، یا شر، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نوجوان کی صلاحیتوں پر مکمل توجہ دی ہے، جو اس کی بہترین اور اس کی جسمانی نشوونما کی ابتدائی عمر ہے، اسی لیے جم خانوں میں (جہاں کسرت اور ورزش کے تمام ضروری سامان مہیا رہتے ہیں) موجود وسائل کے ذریعہ ورزشی تربیت سے جسمانی نشوونما پر توجہ دینا ضروری ہے۔

البتہ عقلی اور فکری نشوونما کی حفاظت عقیدہ توحید، اصول ایمان اور اسلامی تعلیمات کے ذریعہ کی جاتی ہے، جس سے نوجوان میں اللہ کا خوف اور اللہ کے احکامات پر عمل اور منہیات سے بچنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے، یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ علوم شرعیہ کی معرفت اور عقل ضائع کرنے والی چیزوں مثلاً مسکرات اور مخدرات کی حرمت سے واقفیت کی بنا پر حاصل ہوتا ہے، مسکرات سے عقل والوں کی عقلیں ختم ہوجاتی ہیں اور وہ گھٹیا چیزوں میں پڑکر ضائع اور بے راہ ہوجاتے ہیں، اگر یہ گھٹیا چیزیں نوجوانوں میں جڑ پکڑتی ہیں تو ان کو جہنم میں پہنچادیتی ہیں اور ان کی جوانی ضائع کردیتی ہیں، امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے فرمایا کرتے تھے: ''اے نوجوانو! تم آخرت پر توجہ دو اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ ہم نے بہت سے آخرت کے طلب گاروں کو دیکھا ہے جنھوں نے دنیا کے ساتھ آخرت کا حاصل کرلیا، لیکن ہم نے کسی بھی دنیا کے طلبگار کو نہیں دیکھا ہے جس نے دنیا کے ساتھ آخرت حاصل کی ہو''، یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت انسانی نفس، عقل، دین، عزت اور مال کی انسان کو الٰہی طریقہ اور منہج کا پابند بناکر حفاظت کرتی ہے، یہی اسلامی شریعت کے مقاصد ہیں، جن کی بندوں کی طرف سے تکمیل کے لیے اسلام آیا ہے۔

////☆☆☆/////

حقائق

کیا ۱۸۵۷ء کی جدوجہد ''پہلی'' جنگ آزادی تھی؟

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی خانقاہ رحمانی مونگیر

مرکزی حکومت نے یہ مان لیا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے پہلی مسلح جدوجہد ۱۸۵۷ء میں ہوئی تھی، اس لیے پہلی جنگ آزادی کی ڈیڑھ سو سالہ یادگار تقریبات کا سلسلہ چل پڑا ہے، ان تقریبات میں کی جانے والی تقریروں سے یہی تأثر پیدا ہوتا ہے کہ ملک کی پہلی جنگ آزادی کی مسلح کوشش ۱۸۵۷ء میں میرٹھ سے شروع اور دہلی پر ختم ہوئی، جس کا پورے ملک پر اثر پڑا جب کوئی بات چل پڑتی ہے اور اسے حکومت اور میڈیا کی پشت پناہی مل جاتی ہے تو حقیقت پردہ میں چلی جاتی ہے، اور غلط لوگوں کے ذہنوں میں حقیقت بن جاتا ہے، ایک واقعہ سنئے!

۱۰ رمئی ۲۰۰۷ء کو پارلیمنٹ کے سنٹرل ہال میں وزیراعظم منموہن سنگھ، مسز سونیا گاندھی، چیرمین یو پی اے، حزب مخالف کے سربراہ لال کرشن اڈوانی، مرکزی وزراء، لوک سبھا کے اسپیکر سومناتھ چڑجی، ڈپٹی اسپیکر چرنجیت سنگھ اٹوال، ڈپٹی چیرمین راجیہ سبھا کے رحمان خان اور تقریباً تمام ارکان پارلیمنٹ سنٹرل ہال میں موجود تھے، مسٹر بھیرو سنگھ شیخاوت نائب صدر جمہوریہ اور راجیہ سبھا کے چیرمین کی تقریر ہو رہی تھی اور اس سے یہی تأثر ابھر رہا تھا کہ ۱۸۵۷ء میں پہلی جنگ آزادی ہوئی، ان کی تقریر کے دوران ڈپٹی اسپیکر مسٹر چرنجیت سنگھ اٹوال نے مداخلت کی اور کہا کہ ''۱۸۴۵ء میں انگریزوں اور سکھوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی، ان تقریبات میں تاریخی واقعہ کا ذکر ضروری ہے'' اکالی دل کے مسٹر رتن سنگھ اور مسٹر ویریندر سنگھ نے ان کی بھرپور تائید کی، اس مداخلت پر صدر جمہوریہ اور وزیراعظم سمیت پورا ہاؤس سناٹے میں آگیا، یہ وہ مرحلہ تھا جہاں نائب صدر جمہوریہ بھیرو سنگھ شیخاوت نہ تردید کر سکتے تھے، نہ تائید۔

مسٹر چرنجیت سنگھ اٹوال ڈپٹی اسپیکر لوک سبھا نے سچائی کی ایک روشنی جلا دی کہ آزادی کی مسلح جدوجہد ۱۸۵۷ء سے پہلے شروع ہو چکی تھی، وہ سکھ ہیں، انہیں کم از کم اپنی تاریخ یاد ہے، انہوں نے اپنے علم کے مطابق بات کہہ دی، افسوس ہے کہ اس پڑھے لکھے بھرے پرے ہاؤس میں ایک تاریخ داں ایسا نہ تھا جو اس غلط تاریخ سازی کا سمت قبلہ درست کرتا اور چند جملے کہہ جاتا، ہوسکتا ہے کہ بعض دوسرے تاریخ داں بھی یہی مانتے ہوں کہ میرٹھ سے لے کر دہلی تک کی ۱۸۵۷ء میں کی گئی جدوجہد آزادی پہلی مسلح جنگ آزادی تھی، میرے علم میں سب سے پہلے یہ بات مسٹر ساورکر نے کہی تھی اور اس جنگ میں مسلمانوں کے رول کی تعریف کی تھی۔

سچائی یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو پہلی مسلح جنگ آزادی قرار دینا صحیح نہیں ہے، ''یہ تاریخ کی سیاسی تصنیف تو کہی جاسکتی ہے، تاریخ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، انگریزوں سے باقاعدہ منظم جنگ علی وردی خان نے بنگال میں ۱۷۵۴ء میں کی تھی، بعد میں اور بھی قابل ذکر تاریخ ساز جنگیں انگریزوں سے لڑی گئیں، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بھی میرٹھ سے نہیں کلکتہ سے شروع ہوئی تھی، پھر میرٹھ پہنچی، یہ ایسٹ انڈیا کمپنی فوج سے سب سے بڑی آخری منظم جنگ آزادی تھی۔

معتبر تاریخی کتابوں میں جدوجہد آزادی اور انگریزوں کو بھگانے کی

مسلح جدوجہد کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے، جسے صرف اس لیے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ اس جدوجہد کی قیادت مسلمان یا سکھ کررہے تھے، انگریزوں کے خلاف ملک کے مختلف حصوں میں بار بار مسلح جدوجہد کی گئی، ان مسلح کوششوں کا اثر تدریجاً پورے ملک پر پڑا، اور انگریزوں کو بحیثیت حاکم ملک سے نکالنے کا مزاج بنتا گیا، یہ کوشش اس لیے کامیاب نہیں ہوسکیں کہ پورے ملک میں جذبۂ آزادی بیدار نہیں ہوا تھا، انگریز پلاننگ کے ساتھ اپنا دائرہ حکومت بڑھا رہے تھے اور آزادی کے لیے جان دینے والے پورے ملک میں منظّم اور متحد نہیں تھے اور نوابوں اور راجاؤں کا دربار انگریزوں کی سازشوں کے گھیرے میں آچکا تھا۔

کسی بھی جدوجہد کے لیے پہلے افراد کی ذہن سازی ضروری ہے، اور یہ کام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ولادت ۱۷۰۳ء وفات ۱۷۶۲ء) نے ۱۷۳۱ء میں باقاعدہ شروع کیا، حضرت شاہ صاحب کی تحریریں محفوظ ہیں، آزادی ہند کے لیے انہوں نے احمد شاہ ابدالی کو خط بھی لکھا وہ مدرسہ رحیمیہ مہندیان میں اور اپنے سلسلہ درس قرآن میں آزادی کے لیے افراد سازی کا کام کرتے رہے، حضرت شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے شاگر اور مرید برما سے لے کر عرب ممالک اور افریقہ تک پھیلے ہوئے تھے، اندرون ملک علماء کرام میں ''آزادی کا حوصلہ'' بلند ہوا، یہی وجہ تھی کہ انگریزوں نے عام ہندوستانیوں کے علاوہ کم ازکم انیس ہزار علماء کو شہید کیا (بعض مؤرخین نے شہید علماء کی تعداد باون ہزار لکھی ہے) حضرت شاہ صاحب کے بعد ان کی درسگاہ کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ نے آباد رکھا، وہ درس وتدریس کے ساتھ وطن دوستی اور انگریز دشمنی مزاج بھی بناتے رہے، انگریزی حکومت کے خلاف انکا مشہور فتوی جہاد تاریخ اور فقہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اس فتوی کی مسجدوں کے ذریعہ بڑے پیانے پر اشاعت ہوئی اور انگریزی حکومت کی غلط کاری اور ملک پر اس کے نقصان دہ اثرات عوام پر واضح ہوئے، ۱۷۳۱ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ایکسو چھبیس سال کا وقفہ ہے اس مدت اور اس میں کی گئی فکری اور عملی جدوجہد آزادی تاریخ کا حصہ نہ بنتی تو سچی بات یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کا انقلابی اقدام نہیں ہوتا۔

علماء کرام نے ہر جگہ حضرت شاہ ولی اللہ کے اس پیغام کا نوٹس لیا اور ۱۷۳۵ء میں علماء صادق پور نے جدوجہد شروع کی، ان علماء کے اثرات صرف بہار پر نہیں بلکہ پورے ملک پر تھے، جن سے کام لیا گیا، تاریخ کی کتابوں میں اسے ''وہابی موومنٹ'' سے یاد کیا جاتا ہے، علماء صادق پور نے عوام وخواص میں آزادی کی روح پھونکنے میں بڑی مدد دی، علماء صادق پور (پٹنہ) کی یہ جدوجہد سو سال تک جاری رہی، جب ۱۸۳۵ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صادق پوری کو گرفتار کر کے کالا پانی (جزائر نڈمان) بھیجا گیا، ان کے مکانات اور قبرستان پر انگریزوں نے قبضہ کیا اور انہیں مٹا کر میونسپلٹی اور دوسرے دفاتر بنادیے، تو یہ مرکز جدوجہد کمزور پڑ گیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے زیر اثر علماء نے پورے ملک میں آزادی کی جدوجہد شروع کردی، یہ تاریخ ہند کا گراں قدر حصہ ہے۔

انگریزوں نے ہندوستان میں کلکتہ کو اپنا مرکز بنایا، تاکہ سمندری راستہ سے انہیں مدد ملتی رہے، اور دہلی سے دور رہ کر تدریجاً دہلی اور پورے ملک پر قبضہ کیا جائے، کلکتہ کا ڈائمنڈ ہاربر اور فورٹ ولیم انگریزوں کا مرکز تھا، سراج الدولہ کے نانا علی وردی خان نے خطرہ کو محسوس کرلیا تھا اور ۱۷۵۴ء میں فورٹ ولیم پر حملہ کر کے انگریزوں کو بھگا دیا، انگریز ڈائمنڈ ہاربر میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، اسے پہلی منظّم اور مسلح جنگ آزادی قرار دیا جاسکتا ہے، علی وردی خاں اس کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہے، ورنہ آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

علی وردی خاں کے نواسہ سراج الدولہ حاکم ہوئے آزادی وطن اور انگریزوں کو ملک سے باہر کرنے کے سلسلہ میں انکا رویہ نانا جیسا تھا، سراج الدولہ نے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ انگریزوں کو شکست دینا چاہا، مگر انکا دربار سازشوں کا اڈہ بن گیا تھا اور سلطنت کی ذمہ دار شخصیتیں

اپنی قیمت لگوا چکی تھیں، اس لیے انہیں شکست ہوئی اور ۱۷۵۷ء میں برٹش فوج نے ان کی دارالسلطنت مرشدآباد میں انہیں شہید کر دیا۔

تاریخ کے صفحات میں بکسر کی جنگ (۱۷۶۴ء) کی تفصیل موجود ہے، جس میں مغل فرماں رواں شاہ عالم، نواب اودھ شجاع الدولہ اور میر قاسم کی فوج مشترکہ طور پر شریک تھے، یہ جنگ بھی ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہوئی، میر قاسم نے مونگیر (بہار) کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا، میر قاسم کا قلعہ آج بھی موجود ہے، انگریزوں نے مونگیر میں ان سے۱۷۶۳ء میں ٹکر لی، ڈاکرانالہ پل توڑا گیا اس کی شکستہ دیواریں اور بکھری اینٹیں آج بھی اس تاریخ کو یاد دلاتی ہیں، یہ اور بات ہے کہ دس بارہ برسوں سے ان کے نام پر آباد محلّہ قاسم بازار کو کرن بازار اور مغلوں کی فوج کی چھاؤنی مغل بازار کو منگل بازار کہنا شروع کیا گیا ہے۔

حافظ رحمت خاں شہید نواب تھے، عالم اور حافظ تھے، انہوں نے علماء اور علاقائی حکمرانوں کو یکجا کر کے انگریزوں سے جنگ کرنا چاہی حافظ صاحب کا سلسلہ علم حضرت شاہ ولی اللہ سے جڑا ہوا ہے، حافظ رحمت خاں شہید کی سربراہی میں انگریزوں سے جو جنگ ہوئی تھی اس کا رخ انگریزوں نے نواب اودھ کی طرف پھیر دیا اور نواب اودھ کی فوج کے ساتھ انگریزی فوج نے حافظ صاحب سے جنگ کی، یہ فیصلہ کن جنگ ۱۷۵۸ء میں ہوئی جس میں حافظ صاحب اور ان کے رفقاء (جن میں ممتاز علماء شریک تھے) کی بڑی تعداد شہید ہوگئی، اسی سلسلہ کی ایک کڑی قاضی واجد رحمۃ اللہ علیہ کا بے نفس اور مجاہدانہ کردار بھی ہے، جس کی یاد دلوں میں تازہ اور تاریخ کی نئی کتابوں میں محفوظ رہنی چاہئے۔

۱۸۵۷ء سے پہلے دکن کے فرماں روا حیدر علی (۱۷۸۲ء) اور ان کے صاحبزادے ٹیپو سلطان کے ذکر کے بغیر آزادی ہند کی کوئی تاریخ ادھوری ہوگی، جو مستقل انگریزوں کے لیے چیلنج بنے رہے، ٹیپو سلطان نے ہندوستان کے علاقائی فرماں رواؤں کو انگریزی حکومت کے خلاف منظّم کرنا چاہا، اس سلسلہ میں انہوں نے ہندوستان کے باہر بھی رابطہ قائم کیا، نظام حیدرآباد اور نواب بنگالہ کو بھی خطوط لکھے اور اپنے نمائندوں کے ذریعہ آنیوالے دنوں کے خطرات اور انگریزوں کے ارادہ سے واقف کرایا، ساتھ ہی انہوں نے مشترکہ جدوجہد کی اپیل کی، مگر نوابوں کی وقتی مصلحتوں اور سرفروشی کے جذبہ کی کمی کی وجہ سے مشترکہ جدوجہد آزادی کی راہ نہیں بن سکی۔

ٹیپو سلطان نے ہمت نہیں ہاری اور وہ برٹش فوج سے پنجہ آزمائی کے لیے تیاری کرتے رہے، مگر ان کے ایک فوجی سردار کرشناراؤ کی خودفروشی نے ٹیپو سلطان کو نقصان پہنچایا، اور سازشی ان کے امور سلطنت میں در آئے، ان کی فوج میں ہندو مسلمان شریک تھے، ٹیپو سلطان نے نامساعد حالات کو سمجھتے ہوئے ہی یہ کہا تھا کہ ”شیر کی ایک دن کی زندگی لومڑی کے سوسال سے بہتر ہے“، انہوں نے انگریزوں سے جنگ کی اور ۱۷۹۹ء میں میدان جنگ میں شہید ہوئے، جب انگریزی جنرل کو ان کی شہادت کا یقین ہوگیا تو جنرل بارس نے فخر کے ساتھ کہا تھا ”اب ہندوستان ہمارا ہے“۔

ٹیپو سلطان کی شہادت ۱۷۹۹ء کے بعد اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے اور بھی چھوٹی بڑی جھڑپیں انگریزوں سے ہوئیں، مگر انگریزوں کی کامیاب حکمت عملی اسلحہ کی برتری اور نظم وضبط نے مقابلہ کرنے والے منتشر ہندوستانی حکمرانوں پر قابو پالیا، پھر بھی اس اٹھارن سال میں چار کوششیں ایسی ہوئیں جنھیں بھلایا نہیں جاسکتا اور جس نے ۱۸۵۷ء کی تیاری میں مہمیز کا کام کیا۔

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ملک کے نامور عالم دین اور مجاہد وقت تھے، ملک اور بیرون ملک میں ان کے لاکھوں مرید پھیلے ہوئے تھے، ان کا سلسلہ بھی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے ملتا ہے، حضرت سید احمد شہید نے ملک کو آزاد کرانے کا بیڑا اٹھایا اور اپنے شاگردوں اور مریدوں اور دوسرے ذمہ داروں سے رابطہ قائم کیا، انہوں نے خاموشی سے افراد سازی کے ساتھ ہتھیار جمع کرنے کا کام کیا، اس سلسلہ میں انہوں مونگیر، بہار (جو اس وقت بھی قانونی اور غیر قانونی اسلحہ سازی کا مرکز تھا اور آج بھی اس کی یہ خصوصیت زندہ ہے)

اور بنگال کا سفر کیا، اس پورے سفر میں لوگوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا اس سفر کے نتیجہ میں آزادی کی جدوجہد کو عوامی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی اور اسلحوں کو حاصل کرنے کی راہ ہموار ہوئی ، حضرت سید احمد شہید اوران کے دست راست حضرت شاہ اسمٰعیل شہید نے انگریزوں سے مئی ۱۸۳۱ء میں بالاکوٹ میں جنگ کی ، یہ جنگ بھی مقامی حالات کی وجہ سے ہار پر ختم ہوئی ، اس معرکہ میں یہ دونوں حضرات اوران کے بہت سے رفقاء شہید ہوئے۔

۱۸۴۵ء میں انگریزو کی جنگ سکھوں سے ہوئی ، یہ جنگ پورے ہندوستان کو آزاد کرانے کے ذہن کے ساتھ نہیں ہوئی تھی ، بلکہ سکھوں کے علاقہ کو خودمختاری دلانے کے جذبہ سے لڑی گئی تھی ، انگریزوں نے سکھوں سے مصالحت کی اور نتیجہ کے طور پر پنجاب میں سکھوں کی عملداری قائم ہوگئی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے جانشین کے طور پر مہاراجہ دلیپ سنگھ کو انگریزوں نے جانشین مان لیا، اس طرح ۱۸۴۵ء کی جنگ کا مقصد پورا ہوا، اور سکھوں کو کامیابی ملی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل ایک اہم جنگ ہوئی ، یہ جنگ شیر دل خاتون بیگم حضرت محل کی سربراہی میں لڑی گئی ، اس جنگ میں ضلع شاہ آباد (بہار) کے راجہ کنور سنگھ کا کردار نا قابل فراموش ہے، اس جنگ میں ہندوستانی ہندو مسلمان سپاہیوں کے ساتھ نیپال (گورکھا) سپاہی اور عملدار شریک تھے ، یہ گورکھے انگریزوں سے مل گئے ، انگریزوں نے ان سے نیپال میں محدود عملداری کا وعدہ کیا ، اور نیپالیوں نے بیگم حضرت محل کا ساتھ چھوڑ دیا، جس کے نتیجہ میں ۱۸۵۶ء کی جنگ اودھ ہندوستانیوں کی شکست پر ختم ہوگئی ، بیگم حضرت محل نے نہ صرف اپنا اسٹیٹ کھودیا بلکہ اپنی زندگی دربدری میں گزاردی اور تاج برطانیہ کے معافی کے اعلان کے باوجود انگریزوں سے مصالحت نہیں کی۔

۱۸۵۷ء سے پہلے ۱۸۵۶ء میں ویر کنور سنگھ اور ان کے بھائی امر سنگھ نے جگدیش پور (ضلع شاہ آباد، بہار) میں انگریزوں سے زبردست جنگ کی ، اس جنگ میں گرچہ ویر کنور سنگھ کو ہار ہوئی ، ان کا اسٹیٹ تباہ کردیا گیا ، مگر اس جنگ کے اثرات اتر ہندوستان پر گہرے پڑے ، جنگ آزادی میں ویر کنور سنگھ اوران کے خاندان کا کردار نا قابل فراموش ہے۔

ایسے چھوٹے بڑے بہت سے چراغ آزادی ہند کی راہ میں ۱۸۵۷ء سے پہلے روشن ہوئے ان سارے حالات وواقعات کو مختصر مضمون میں سمیٹا نہیں جاسکتا ، مگر یہ واقعہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی پہلی جنگ آزادی نہیں تھی ، بلکہ یہ آخری منظم مسلح جدوجہد تھی ، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے متعلق یہ بات بھی جانی جاتی ہے کہ یہ میرٹھ سے شروع ہوئی تھی ، انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے میرٹھ میں جو کارروائی کی ، اس کی ابتداء کلکتہ (دمدم اور بارک پور) سے ہوئی تھی ، برٹش آرمی کے ہندو مسلمان سپاہیوں میں یہ بات عام ہوئی کہ کارتوس میں گائے کا چمڑا اور سور کی چربی کا استعمال ہوتا ہے ، ۲۲/ جنوری ۱۸۵۷ء کو پہلے اس خبر سے ہندوستانی فوج کلکتہ میں بھڑک اٹھے اورانہوں نے زبردست احتجاج کیا ، کچھ ایسی ہی صورت حال لکھنؤ میں پیش آئی ، ان تمام سپاہیوں کو غیر مسلح کرکے ملازمت سے برخواست کردیا گیا ، ان میں سے کچھ سپاہی انگریز فوج کی چھاؤنیوں میں پہنچے اور حالات سنائے جن کی وجہ سے مختلف مقامات پر برٹش آرمی کے خلاف انگریزوں کی ہندوستانی فوج برافروختہ ہوگئی۔

۲۴/ اپریل ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں کلکتہ جیسا واقعہ دہرایا ، انگریز ذمہ داروں نے ۹/ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں ایک رجمنٹ کے ہندوستانی سپاہیوں کو دس سال کی قید بامشقت کی سزا سنادی ، اس فیصلے کا اعلان بھی توہین آمیز طریقہ پر ہوا تھا ، ہندوستانی سپاہیوں نے انگریز افسروں کو ہلاک کرکے ان قیدیوں کو آزاد کرایا ، اور میرٹھ سے دہلی کی طرف کوچ کرگئے ، یہ ۱۰/ مئی ۱۸۵۷ء کا واقعہ ہے ، میرٹھ کے ہندوستانی فوجیوں کی آمد نے دہلی کے فوجیوں میں نئے حوصلے دیئے ، اور دہلی میں بہادر شاہ ظفر کی تخت نشینی کا اعلان کردیا گیا ، انگریزوں نے سکھ رجمنٹ کی مدد تقریباً چار ماہ تک دہلی کا محاصرہ کئے رکھا ، ۱۴/ ستمبر کو زبردست

جنگ ہوئی ،۱۴؍۱۵؍ستمبر ۱۸۵۷ء کی تاریخ ہندوستان کی مسلح جدوجہد آزادی کا خونی باب ہے ، آزادی ہند کے معروف مؤرخ ولیم ڈیلرمپل نے لکھا ہے ’’جب دہلی کا محاصرہ ختم ہوا تو بہت سے مبصروں کے مطابق باقی بچنے والے باغیوں میں آدھے ’’جہادی‘‘ تھے، جنہوں نے ۱۴؍ستمبر کو برطانوی حملہ کے خلاف زبردست مزاحمت کی تھی‘‘۔

ٹھیک انہیں تاریخوں میں حضرت ضامن شہیدؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ، حضرت مولانا منیر الدین اوران کے رفقاء نے شاملی کے میدان میں انگریزی فوج سے جنگ کی، ۱۴؍ستمبر ۱۸۵۷ء کو حضرت ضامن شہید اوران کے بہت سے رفقاء شہید ہوگئے، اس جنگ میں ہندوستانیوں کو ہار ہوئی، دہلی کے تاریخی معرکہ اور شاملی کی جنگ کی تاریخ ایک ہی ہے، اسے اتفاق نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ ایک مشترکہ جدوجہد آزادی کی دو کڑیاں ہیں، دہلی معرکہ میں انگریز جنرل نکلسن مارا گیا، مگر آخرکار دہلی اور شاملی دونوں جگہ ہندوستانیوں کو شکست ہوئی اور بہادر شاہ ظفر ۱۷؍اکتوبر کو گرفتار کرکے رنگون بھیج دئے گئے۔

☆☆///////☆☆

ارباب مدارس کی ذمہ داریاں

عبداللہ تقی الدین،مصر

آپسی اختلافات وانتشار اور باہمی کشمکش نے ملی ومعاشرتی نظام کو تباہ وبرباد کردیا ہے، جو تنظیم اور جمعیت کاروان عالم کی فلاح وبہبود اور اس کے وجود وارتقاء کے لیے پیش خیمہ تھی آج وہی بازیچہ اطفال بنتی جارہی ہے، جو زاد حیات اور توشۂ آخرت کے لیے اسباب ووسائل فراہم کرتی تھی، وہ اب سطحی پیمانہ پر نہ صرف یہ کہ دینی ودنیوی آماجگاہ بنی ہوئی ہے بلکہ دانشوران قوم وملت کے سیاسی وسماجی اڈے اور ایک دوسرے کے خلاف تدبیر وتحقیق کا مرکز بن کر رہ گیا ہے۔

چنانچہ آئے دن ایسے حوادث اورواقعات نمودار ہوتے رہتے ہیں جن سے باہمی الفت ومحبت کا فقدان ہی نہیں بلکہ قوم وملت کی تشخص اوراس کے وجود کو ایسی ٹھیس پہونچتی ہے جس کا زخم ابنائے عالم دوچار لمحہ ہی نہیں بلکہ مدتوں اور عرصہ دراز تک اس کے کرب وبے چینی کو محسوس کرتے ہیں اور ناموافق ونامساعد حالات سے ٹکرانے پر مجبور ہوتے ہیں جس کی بناء پر ملت کی ترویج وارتقاء کیا، خود اس کا اپنا ہی سنبھلنا مشکل ترین امر ہوجاتا ہے، چنانچہ مسلم معاشرہ کو دینی ودنیوی فلاح وبہبود سے ہمکنار کرنے اوراس کو ہندوانہ رسم ورواج کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکالنے اوراسلامی اصول وضوابط سے ہم آہنگ کرنے کے لیے مدارس اسلامیہ کا وجود عمل میں آیا، لیکن افسوس کہ بجائے اس کے کہ وہ دینی وملی شعور پیدا کرے اس کا رخ سیاست وسیادت میں تبدیل ہوگیا، جب کہ یہ مدارس دین کے قلعے اوراس کے محفوظ پناہ گاہ ہیں ان کا تحفظ وبقاء اسلام کا تحفظ وبقاء ہے، ان کی تخریب کاری اسلام کی تخریب کاری ہے، قوم وملت کا ان قلعوں پر بھرپور اعتماد اور بھروسہ ہے وہ اس پر لامحدود اور لاتعین مال وزرخرچ کرتے ہیں، یہ محض اس لیے کہ تاکہ اسلام کا صحیح اور درست روشنی میسر ہو اوراس کے نیر تاباں سے دار آخرت کے پرخطر راستے ہموار اور آسان ہوسکیں، لیکن اب وہ روشنی اور تابانی کیا حاصل ہو، اس سے تو دوری اور بے رخی ہوتی جارہی ہے، جس کی بنا پر اس کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹانے اوراس کو زمین بوس کرنے کی سعی پیہم نہ صرف یہ کہ غیر قومیں کررہی ہیں بلکہ خود مسلم طبقہ بھی اس کے بقاء سے نفرت اور عداوت کرنے لگا ہے اوراس کو اپنے لیے باعث ننگ وعار اور سر پر منڈلاتا ہوا بلا محسوس کررہا ہے۔

اس لیے خدارا ان قلعوں کو بچانا اوران کی نگہداشت ہمارا فریضہ ہے اگر ہم نے محض اپنی سیادت وقیادت کی خاطر آپسی تنازعات میں مبتلا ہوکر رہ گئے تو وہ دن دور نہیں ہے کہ اسلام کو مسلمان خود اپنے ہاتھوں دفن کریں گے اوراسی میں اپنے لیے امن واطمینان کی راہ مضمر سمجھیں گے۔ ☆☆☆

مکتوبات اکابر

مکتوبات حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی ایک نیاز مند کے نام

محمد مسعود عزیزی ندوی رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی

حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کا نام نامی اسم گرامی رائے پور کے زمانہ طالب علمی میں سنا تھا کہ کاندھلہ میں ایک بزرگ ہیں اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلفاء میں سے ہیں، نیز اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے بھی آنے جانے والوں کے توسط سے حضرت مولانا کی خبریں ملتی رہتی تھیں، چونکہ حضرت مولانا کے بعض واقف کار رائے پور خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے، تو حضرت حافظ صاحب سے بھی ملاقات کرتے تھے، چنانچہ اسی زمانہ میں بزرگوں کی خدمت میں خطوط لکھنے کا شوق وجذبہ پیدا ہوا تو حضرت مولانا کی خدمت بابرکت میں بھی ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں اپنا تعارف کرایا، اپنے لیے دعا کی درخواست کی، پھر حضرت والا سے نصیحت طلب کی جس پر حضرت کی طرف سے یہ شفقت نامہ آیا، جس پر ڈاکخانہ کی مہر ۶-۹-۹۳ء ہے۔

۱- ۷۸۶

مکرم ومحترم......مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ گرامی نامہ موصول ہوا، یادفرمائی کا بہت بہت شکریہ، بندہ آپ کے واسطے بدل وجان دعا کرتا ہے، نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا، مختصر یہ ہے گناہ سے اپنے کو بچایا جائے، ہوجائے تو توبہ کی جائے۔

والسلام

العبد افتخار الحسن

دوتین ماہ بعد پھر حضرت کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا، اس کا مضمون بھی تقریباً حسب سابق تھا، دعاؤں کی درخواست اور نصیحت کی گذارش کی تھی، جس پر حضرت مولانا کا یہ والا نامہ آیا:

۲- عزیز محترم......زادعنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ موصول ہوا، یادفرمائی کا شکریہ، بندہ آپ کے لیے بدل وجان دعا کرتا ہے، اللہ تعالی علم سے نوازیں اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں، فجر کی نماز کے بعد اور مغرب کی نماز کے بعد درود شریف تین تین بار، الم نشرح سات مرتبہ پڑھتے رہیں۔

والسلام

۹۳/۱۲/۲۹ء بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

(بقلم) محمد شعبان خادم حضرت والا

آئندہ سال جب راقم سطور مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور تکیہ کلاں رائے بریلی میں حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے وطن گیا تو وہاں سے حضرت مولانا کی خدمت عالیہ میں ایک خط تحریر کیا، جس میں اپنا تعلیمی منصوبہ اور رائے بریلی میں داخلہ کی اطلاع اور وہاں کے فکری، علمی اور روحانی ماحول کے متعلق لکھا، دعاؤں کی درخواست کی اور نصیحت طلب کی، جس پر حضرت مولانا کا یہ معزز نامہ موصول ہوا:

۳- مکرم ومحترم جناب مولانا مسعود صاحب مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

عرصے کے بعد گرامی نامہ موصول ہوا، جس سے تکیہ شریف میں قیام سے بھی باشرف ہونا مبارک ہے، اس کو بہت ہی غنیمت جانئے گا، آپ نے تکلیف فرمائی کہ میں لکھوں، تعجب ہوا آپ ایسے دریا کے قریب ہیں کہ جس ذات عالی کو اللہ نے علم باطنی وظاہری کامل ومکمل عطا فرمایا۔

حضرت اقدس (مولانا شاہ عبدالقادر صاحب) رائے پوری سے بارہا یہ ارشاد عالی سنا کہ علماء اگر کوئی اور مجاہدہ نہ کریں تو کوئی حرج نہیں، صرف اتنا بھی کافی ہے کہ جو عمل پڑھتے وقت کوئی بھی عمل ہو اور خصوصیت سے درس تدریس اور ارشاد وتلقین کا اللہ کی رضا کی نیت کر لی جائے، رسول پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا پڑھیں تو بہت ہی اچھا "اللهم طهر قلبي من النفاق وعملي من الرياء ولساني من الكذب وعيني من الخيانة فإنك تعلم خائنة الأعين وماتخفي الصدور"۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب سے بشرط سہولت سلام عرض کردیں اور دعا کی درخواست، اہلیہ کی صحت کے لیے دعا کردیں۔

فقط والسلام

بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

چند ماہ بعد حضرت کو ایک خط پھر تحریر کیا اور دعاؤں کی درخواست کے ساتھ نصیحت کے لیے لکھا، تو حضرت والا کا یہ مکتوب گرامی ملا:

۴- مکرم ومحترم...... مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے، آپ کا مرسلہ گرامی نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، بندہ آپ کے لیے بدل وجان دعا کرتا ہے، حق تعالی ہر قسم کے شرور ومکارہ سے حفاظت فرما کر ہر نوع کی ترقیات سے نوازے، بندے کی بھی (دعا کی) درخواست ہے اور چاند نظر آجانے کے بعد سے عشاء کے بعد تین تسبیح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کی پڑھتے رہیں پابندی سے اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار۔

والسلام

ازطرف بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

اس کے بعد رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ میں جب یہ نامہ سیاہ اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کے حالات پر کتاب لکھ رہا تھا، تو حضرت حافظ صاحب کے بارے میں بعض معاصرین کی آراء اوران کے تأثرات جاننے کے لیے کئی معاصرین کو خطوط لکھے، جن میں حضرت مولانا کو بھی ایک خط لکھا، جس کا جواب نہ مل سکا، پھر یاددہانی کے طور پر دوبارہ خط لکھا، جس کا مندرجہ ذیل جواب آیا، اس میں پہلے بھیجے گئے خط کا تذکرہ اور اس کے جواب کا بھی حوالہ ہے، خط کا مختصر مضمون یہ ہے:

۵- ۷۶۸

مکرم ومحترم...... مدت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا، اس سے پہلے بھی ایک گرامی نامہ صادر ہوا تھا، اس کا جواب لکھ دیا گیا، انشاء اللہ آپ کو مل جائے گا۔

فقط والسلام

بندہ افتخار الحسن

بقلم محمد عثمان

اس کے بعد حضرت مولانا کا وہ خط بھی آگیا جس میں حضرت حافظ صاحب سے متعلق آپ نے اپنے تأثرات لکھے تھے، اصل خط تو میرے کاغذات میں مل نہ سکا، مگر اس کا شروع اور آخر کا حصہ چھوڑ کر حضرت حافظ عبدالرشید صاحب سے متعلق جو مضمون تھا، وہ راقم کی کتاب ''حیات عبدالرشید'' کے صفحہ ۲۹۰/ ۲۹۱ پر معاصرین کے تأثرات میں چھپا ہوا ہے۔

پھر جب ۱۴۱۵ھ کے شوال میں احقر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہوگیا، وہاں سے حضرت کو اپنے تعلیمی حالات لکھے، درسیات کی تفصیل

لکھی اور دعاؤں کی درخواست کی، مگر اس کا جواب نہ آسکا، اس لیے اس کے بعد پھر دوبارہ خط لکھا اور اس میں گذشتہ بھیجے گئے خط کا ذکر بھی کیا، باقی مضمون پہلے خط ہی کا تھا، نیز اسی زمانہ میں احقر کی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' چھپ کر آگئی تھی، اس کا تذکرہ بھی کیا اور اس کی مقبولیت کے لیے دعاء کی درخواست بھی کی اور پھر نصیحت طلب کی، چنانچہ اس کا جواب حضرت کی طرف سے مندرجہ ذیل آیا:

۶- مکرم ومحترم......مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت تمام ہوں گے۔

مرسلہ گرامی نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، یہاں تو جو خط آتا ہے اس کا جواب تحریر کرا کر ارسال کر دیا جاتا ہے، بشرطیکہ جوابی کارڈ، لفافہ ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو جو ''مختصر تجوید القرآن'' کی صورت میں سامنے آئی، قبول فرمائے اور ہر نوع کی ترقیات سے نوازے۔ آمین

دنیا وآخرت کی کامیابی خدا کے حکم کو مان کر چلنے میں ہے، اس طرح کہ کوئی حکم چھوٹنے نہ پائے اور کوئی حکم ٹوٹنے نہ پائے، اسی طرح زندگی گذارنے کی کوشش کریں، اللہ کامیابی ونصرت سے نوازے گا۔

والسلام

۲۶/نومبر ۱۹۹۵ء ازطرف بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

بقلم اسجد غفرلہ

پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جب ''حیات عبدالرشید'' کی ترتیب وتسوید میں مشغول تھا، تب بھی حضرت مولانا کی خدمت اقدس میں ایک عریضہ لکھ دیا، جس میں اس کتاب کا ذکر کیا اور مقبولیت کی دعاء کے لیے تحریر کیا، حضرت مولانا کا یہ مکتوب گرامی شرف صدور ہوا:

۷- مکرمی......زادعنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کارڈ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، اس سے مسرت ہوئی کہ آپ سوانح حیات (حافظ عبدالرشید صاحب) لکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل فرما کر آخرت کا ذریعہ بنائے، بندہ بھی دعا کرتا ہے۔

والسلام

۲۰/۱/۱۴۱۶ھ ازطرف بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

اس کے بعد بھی حضرت مولانا کو خطوط لکھے، مگر میرے کاغذات میں صرف یہی ۷/خطوط محفوظ تھے جو نقل کر دیئے گئے، البتہ اس کے بعد حضرت مولانا کی ملاقات کے لیے کاندھلہ کئی مرتبہ جانا ہوا، یہ تو اس وقت ذہن میں نہیں کہ پہلی مرتبہ کب ملاقات ہوئی اور کس طرح سے ہوئی، البتہ ہر ملاقات پر ایک چیز محسوس کی کہ حضرت مولانا ہر آنے والے کو حسب مراتب اور ''انزلوا الناس علی قدر منازلھم'' کے مطابق اتارتے اور اس کے ساتھ پیش آتے ہیں، اور جس کے بارے میں معلوم ہو کہ عالم ہے تو اس کے ساتھ عالمانہ شان کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں اور عام لوگوں کے ساتھ سادگی میں ان کے انداز پر بات کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ احقر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، ملاقات کے بعد چلتے وقت مجھے ''نفحات طیبہ'' جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے حالات وملفوظات پر مشتمل کتاب ہے پیش کی، اور میرے ساتھی کو ٹی وی، وی سی آر اور فلم کی قباحت سے متعلق پمفلٹ پیش کیا، نامہ سیاہ اس نبض شناس حکیم کی مہارت کا اسی وقت قائل ہو گیا تھا، پھر جب احقر کی کتاب حیات عبدالرشید چھپ گئی، تب بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوا، حضرت نے اعزاز واکرام کیا اور بعض پمفلٹ اور کتابیں بھی پیش کیں، اس کے بعد جب ''سیرت مولانا یحییٰ کاندھلوی'' کی طباعت ہو گئی، اس کے بعد بھی حاضری ہوئی، اس کتاب کو خود مولانا محمد طلحہ صاحب حضرت مولانا کو پہنچا چکے تھے، پھر اس کے توسط سے بھی ملاقات ہوئی، غرضیکہ حضرت سے ملاقات کے لیے متعدد مرتبہ جانا ہوا، ابھی آخری مرتبہ دو تین سال قبل حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی آمد کے موقع پر

کاندھلہ جانا ہوا اور حضرت سے ملاقات ہوئی، ہر مرتبہ حضرت مولانا کے اعلیٰ اخلاق کا مشاہدہ کیا۔

حضرت مولانا کی پیدائش ۱۹/ جمادی الاول ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۰/ جنوری ۱۹۲۲ء کو کاندھلہ میں ہوئی، مظاہر علوم میں تعلیم مکمل کی، سلوک وطریقت کے منازل حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے زیر تربیت طے کئے، اور حضرت مولانا کے خلیفہ مجاز ہوئے، آپ کا مشغلہ امت کی اصلاح وتربیت کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تفسیر ہے، آپ بہترین مفسر قرآن، جید عالم دین اور کامل ولی وعارف اور پایہ کے بزرگ ہیں، خلاف شرع بات کو ذرا بھی گوارا نہیں کرتے، ایسے موقع پر فوراً آگ بگولہ ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پردہ اور ستر میں فرق

مرد وعورت کا وہ حصۂ بدن جس کو عربی میں عورت اور اردو، فارسی میں ستر کہتے ہیں، جس کا سب سے چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے، وہ ستر عورت یعنی اعضائے مستورہ کا چھپانا ہے، یہ فریضہ تو ابتداء آفرینش سے فرض ہے، تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں میں فرض رہا ہے، بلکہ شرائع کے وجود سے بھی پہلے جب جنت میں شجر ممنوعہ کھا لینے کے سبب حضرت آدم علیہ السلام وحوا علیہا السلام کا جنتی لباس اتر گیا اور ستر کھل گیا، تو وہاں بھی آدم علیہ السلام نے ستر کھلا رکھنے کو جائز نہیں سمجھا، اسی لیے آدم وحوا دونوں نے جنت کے پتے اپنے ستر پر باندھ لئے ”طَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ“ کا یہی مطلب ہے۔

دنیا میں آنے کے بعد آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر پیغمبر دین کی شریعت میں ستر چھپانا فرض رہا ہے، اعضاء مستورہ کے تعین اور تحدید میں اختلاف ہو سکتا ہے، کہ ستر کہاں سے کہاں تک ہے، مگر اصل فرضیت ستر عورت کی تمام شرائع انبیاء میں مسلمہ ہے اور یہ فرض ہر انسان مرد وعورت پر فی نفسہ عائد ہے، کوئی دوسرا دیکھنے والا ہو یا نہ ہو، اسی لیے اگر کوئی شخص اندھیری رات میں ننگا نماز پڑھے، حالانکہ ستر چھپانے کے قابل کپڑا اس کے پاس موجود ہو تو یہ نماز بالاتفاق ناجائز ہے، حالانکہ اس کو ننگا کسی نے دیکھا نہیں (البحر الرائق) اسی طرح نماز اگر کسی ایسی جگہ پڑھی جائے جہاں کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہیں، اس وقت بھی اگر نماز میں ستر کھل گیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (کمافی عامۃ کتب الفقۃ)

خارج نماز لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں، لیکن خلوت میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود نہ ہو، وہاں بھی صحیح قول یہی ہے، کہ خارج نماز بلا ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے ستر کھول کر ننگا بیٹھنا جائز نہیں (کمافی البحر عن شرح المنیہ) یہ حکم تو ستر عورت کا تھا، جو اول اسلام سے؛ بلکہ اول آفرینش سے تمام شرائع انبیاء میں فرض رہا ہے۔

دوسرا مسئلہ حجاب اور پردہ کا ہے کہ عورتیں اجنبی مردوں سے پردہ کریں، اس مسئلہ میں اتنی بات تو انبیاء وصلحاء اور شرفاء میں ہمیشہ سے رہی ہے کہ اجنبی مردوں کے ساتھ عورتوں کا بے محابا اختلاط نہ ہو۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ستر عورت اور حجاب نساء یہ دو الگ الگ مسئلے ہیں، ستر عورت ہمیشہ سے فرض ہے، حجاب نساء یعنی پردہ ۵ھ میں فرض ہوا، ستر عورت مرد وعورت دونوں پر فرض ہے اور حجاب صرف عورتوں پر، ستر عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت (تنہائی) دونوں میں فرض ہے، حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں، یہ تفصیل اس لیے لکھی گئی کہ ان دونوں مسئلوں کو خلط ملط کر دینے سے بہت سے شبہات، مسائل اور احکام قرآن کے سمجھنے میں پیدا ہو جاتے ہیں، مثلاً عورت کا چہرہ اور ہتھیلیاں ستر عورت سے بالاجماع مستثنیٰ ہیں، اسی لیے نماز میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھلی ہوں تو نماز بالاتفاق وبالاجماع جائز ہے، چہرہ اور ہتھیلیاں تو از روئے نص مستثنیٰ ہیں، قدمیں (دونوں پیر) کو فقہاء نے ان پر قیاس کر کے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ (اسلام میں پردہ کی اہمیت، مؤلفہ سارہ عزیزی)

جائزہ

غزوہ بدر کا پس منظر اور اس کے وسیع اثرات

مولانا عبیداللہ نیپالی ندوی جامعہ حمیدیہ، پانولی

یوں تو غزوۂ بدر کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں؛ لیکن حقیقت پسندانہ جائزہ یہ بات ماننے پر مجبور کرتا ہے کہ غزوۂ بدر کے برپا ہونے کا اصل باعث یہ ہوا کہ قریش مکہ نے جب دیکھا کہ اسلام روز بروز ترقی کررہا ہے، اس کی پست پر وہ عالی مقام، بلند سیرت، اور کوہ پیکر ہستی ہے، جس نے عزم مصمم کرلیا ہے، کہ اسلام کو اس کی منزل مقصود تک پہنچا کر ہی دم لیں گے، نیز یہ کہ اسلام کی جاذبیت اور کشش لوگوں کے دلوں کو موہ لیتی ہے، اس سے ایسے باہمت بلند حوصلہ نوجوان منسلک ہو گئے ہیں جو اسلام کی راہ میں تن من کی بازی لگادینے والے اور اس کے لیے ہر طرح کے مصائب ومشکلات برداشت کرنے والے ہیں، تو قریش کی مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کی کوئی حد نہ رہی، انہوں نے حضور صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا، اور اسلام کا نام صفحۂ ہستی سے مٹانے اور مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کی تیاریاں شروع کیں، تو باذن خداوندی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ کی جانب ہجرت کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمہ وقت قریش کی طرف سے حملہ کا خطرہ لاحق تھا، کہ کہیں وہ مدینۃ النبیؐ پر حملہ آور نہ ہوجائیں، اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے چھوٹے چھوٹے دستے مدینہ کے اطراف میں بھیجنے شروع کیے، جس کا مقصد اطراف کے علاقوں سے ناطرفداری پر معاہدہ کرنا تھا، اسی ترسیل دستہ میں ایک مرتبہ آپ نے حضرت عبداللہ بن جحش کو ایک خط دے کر روانہ فرمایا، اور ان کو یہ وصیت کی کہ دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اس خط کو پڑھیں اور اس میں مذکور ہدایات پر عمل پیرا ہوں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وصیت کے مطابق مقام ''نخلہ'' میں رہ کر تمام حالات سے آگاہی حاصل کرنے لگے، اسی مرحلہ میں عمرو بن الحضرمی کے قتل کا واقعہ پیش آگیا، چونکہ وہ قریش کے معزز ونامور قبیلہ کے آدمی تھے، اس لیے معاملہ یہاں تک پہنچا کہ جنگ کی نوبت آگئی، یہ وہ جنگ ہے جو تاریخ اسلام میں غزوہ بدر کے نام سے موسوم ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ صفحہ ۱۵۴/تفہیم القرآن ج۳/صفحہ ۱۸۰)

دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ قریش اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء رسانیوں میں مال واسباب اور اسلحہ کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، لہٰذا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ حضرت ابوسفیان قریش کے تجارتی قافلے کے اسباب واسلحہ سے لدے پھندے شام سے آرہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو یہ حکم دیا کہ آگے بڑھ کر اس قافلہ کو روکیں، ادھر حضرت ابوسفیان کو یہ اطلاع ملی، تو انہوں نے ایک آدمی کو مکہ فریادرسی کے لیے بھیجا، اس شخص کے خبر دیتے ہی قریش میں کھلبلی مچ گئی، اور انہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کردیں، اور تمام قبائل کے سرداروں کے ساتھ کبرونخوت، غیظ وغضب اور انتقامی جذبہ سے نکلے مقام بدر میں آکر مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی ونبی رحمت)

یہاں پر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قافلہ لوٹنے، یا جنگ کی غرض سے نہیں بھیجا تھا، بلکہ آپ کا مقصد تو یہ تھا کہ اسلام کا بول بالا ہوجائے، جیسا کہ قرآنی اشارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے "یریداللہ أن یحق الحق بکلمۃ ویقطع دابر الکافرین لیحق الحق ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون" غزوہ بدر ۱۷/رمضان ۲ھ کو مقام بدر میں برپا ہوا، اس میں آپ کے ہمراہ تین سو تیرہ صحابہ کرام تھے، قلت اسباب

کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے، کہ اس پورے لشکر میں دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، ایک اونٹ پر دو دو تین تین آدمی سوار تھے، جب کہ کفار کا حال تو یہ تھا کہ ان کے لشکر کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی، مزید یہ کہ ان میں تمام قبائل کے چیدہ چیدہ لوگ، مانے ہوئے شہسوار، آزمودہ کار سپاہی تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ کفار نے اپنے خیمہ کو نصب کرنے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں پانی وغیرہ کی خوب فراوانی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لشکر کفار کی تعداد اور اپنی قلت تعداد پر حراساں تھے، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان سے الگ ہو کر اللہ کے حضور دعا مانگی" اللهم ان تهلك هذه العصابة لاتعبد بعدها في الارض" چنانچہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عین وقت میں بارش ہوئی جس سے تمام نفع مسلمانوں کے ہاتھ آیا، وضو اور غسل کے لیے پانی مہیا ہو گیا اور ان کے دلوں سے شیطانی وسوسہ بھی دور ہو گیا، اور ان کو نیند بھی آ گئی جس سے وہ تازہ دم ہو گئے، کیونکہ نیند نہ آنے کے باعث تو بے خوابی اور پریشانی میں آدمی کی ایسی کیفیت رہتی ہے، کہ اس کا دماغ اڑا اڑا پھرتا ہے، قدم کہیں رکھتا ہے پڑتا کہیں اور ہے، اس کے برخلاف کفار و مشرکین کی آنکھیں نہیں جھپکی، آندھیاں چلیں، زور کی بارش ہوئی، اور چونکہ وہ نشیبی جگہ میں تھے، اس لیے تمام پانی وہیں جمع ہو گیا، جس کی وجہ سے ایسا کیچڑ ہوا کہ ان کا چلنا، پھرنا مشکل ہو گیا، اسی واقعہ کو قرآن کریم "إذ تستغيثون ربكم فاستجاب لكم انى ممدكم بألف من الملائكة مردفين" سے "ولن تغنى عنكم فئتكم شيئاً ولو كثرت فان الله مع المؤمنين" میں اور ان کے درمیانی آیات میں بیان کیا ہے، سورہ آل عمران میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے "ثم أنزل عليكم من بعد الغم أمنة نعاسا يغشى طائفة منكم وطائفة قدأهمتهم أنفسهم" تائید غیبی کی یہ اور اس کے علاوہ بے شمار مثالیں سامنے آئیں، جس سے مسلمانوں کی ہمت بندھی، اور میدان کارزار میں ذرہ برابر ان کے اندر ہچکچاہٹ نہیں ہوئی، کفار و مشرکین کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ مسلمانوں کے ہاتھ گاجر مولی کی طرح کاٹے گئے، ان کا حوصلہ ٹوٹ گیا، اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لشکر کفار کو کم کر کے دکھلایا اگر ایسا نہ ہوتا تو مومنین گھبرا جاتے اور جنگ پر آمادہ نہ ہوتے "اذيريكهم الله في منامك قليلاً ولواركهم كثيرا لفشلتم ولكن الله سلم"۔

غزوۂ بدر کی فتح و نصرت میں آپ کی حکمت کا بڑا دخل تھا، آپ نے صف بندی کے وقت سورج کو پشت پر رکھا، اور بلا اجازت تیر چلانے سے منع کیا، دشمن دور ہوں تو تیر برباد نہ کریں، نشانہ پر آئیں تو تیر چلائیں اور قریب آئیں تو پتھر ماریں اور تلوار چلائیں، یہ بھی ایک طرح کی تائید غیبی ہی تھی، اس لیے کہ خود قرآن کا فرمان ہے "وماينطق عن الهوى إن هوالا وحى يوحى" (ترجمان القرآن جلد۳/صفحه ۱٦۳ تا ۱۷۰/ تفهيم القرآن جلددوم سوره انفال)

غزوہ بدر کے وسیع اثرات:

غزوۂ بدر کے اسباب و پس منظر کے تذکرہ کے بعد اب ہم اپنے عنان قلم کو ایک دوسرے رخ کی طرف موڑتے ہی، وہ ہے غزوۂ بدر کے اثرات، غزوہ بدر وہ فیصلہ کن اور تاریخ ساز جنگ تھی جس میں امت اسلامیہ کی تقدیر اور دعوت حق کے مستقل کا فیصلہ ہوا، جس پر پوری نسل انسانی کا انحصار تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے اس دن کو قرآن کریم میں 'یوم الفرقان' کے نام سے یاد فرمایا ہے "إن كنتم امنتم بالله وماأنزلنا على عبدنا يوم الفرقان يوم التقى الجمعان والله على كل شئى قدير" اسی دن مسلمانوں کو فتح دے کر ان کو ہمیشہ کے لیے ہلاکت و تباہی سے بچایا۔

اسلام کی دعوت کا دارومدار اگر انسانی تدبیر پر ہوتا تو چاہ بدر میں یہ امت ہمیشہ کے لیے دفن ہو گئی ہوتی اور مسلمان وادئ بدر میں اس طرح ناکام و نامراد ہوتے کہ کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ ہوتے، لیکن مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی، اللہ کے رسول کو اسباب پر نہیں بلکہ خالق اسباب پر اعتماد اور ناز تھا، چنانچہ اسی سے گریہ وزاری کی اور یہ دعا کی "اللهم ان تهلك هذه العصابة لاتعبدبعدها في الارض" اللہ نے اپنے معصوم بندے کی دعا قبول کی اور فتح مبین سے نوازا، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا

دشمنوں پر رعب ودبدبہ قائم ہوا، اہل مدینہ بڑی تعداد میں اسلام سے مشرف ہوئے ،کمزور اورخستہ حال مسلمانوں نے اطمینان وچین کی بانسری بجائی اوراپنے اندر طاقت وعزت محسوس کی، مستقبل میں مسلمانوں کو جوفتوحات وقیادتیں حاصل ہوئیں ان کی جتنی سلطنتیں اور حکومتیں قائم ہوئیں یہ سب اسی غزوہ کا ثمرہ تھیں۔(رسالت کے سائے میں)

ان معروضات کے بعد ہم اپنے وقت کے مشہور عالم دین مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تحریر غزوۂ بدر کے اثرات کے بارے میں پیش کرتے ہیں:

''غزوۂ بدر کے نتائج واثرات ہی ہیں کہ آج عالم اسلام میں حکومتیں ریاستیں ہیں مال ودولت کی ریل پیل ہے،علم وفن، کتب خانے، مدرسے، یونیورسٹیاں قائم ہیں، ان کے علاوہ زمین کا چپہ چپہ اس کا ہر ہر شہر جہاں مسلمان آباد ہیں، یہاں تک کہ برصغیر ہند کی آبادی مسلمان مصروشام عراق وترکی ،غرضیکہ جن سے مشرق اقصی، عالم عرب، مشرق جنوبی ایشیاء آباد ہیں، سب کے سب اسی غزوۂ بدر کے فتح ونصرت کے رہین منت ہیں''۔

نیز دوسری جگہ فرماتے ہیں''اگر خدانخواستہ مسلمان اس غزوہ میں ناکام ہوجاتے ،تو اسلامی دعوت وتبلیغ کا اس دنیا میں کہیں نام نہ ہوتا، دلوں کوموہ لینے کی صلاحیت ،ممالک فتح کرنے کی قوت ، اداروں ، مدرسوں ، خانقاہوں ، کتب خانوں کا نظام ناپید ہوجاتا،غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح مندی ہی کا اثر تھا کہ کفار کا زور ٹوٹا ، ان کے حوصلے پست ہوئے ،مسلمانوں کے عزائم بلند ہوئے ، جزیرۃ العرب کے تمام قبائل پر مسلمانوں کی قوت ، شان وشوکت ، سربلندی اور حقانیت کا راز منکشف ہوا ، اور یہ حقیقت بھی واشگاف ہوئی کہ حق کے مقابلے میں تعداد، سازوسامان اور جنگ کی کثرت کی کوئی حیثیت نہیں ،حق ہی سربلندوغالب رہتا ہے،اس طرح سے قرآن شریف کے قول'' قل جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقاً'' کی حقانیت ثابت ہوئی،اس غزوہ کے نتائج ہی تھے کہ مسلمان یہود مدینہ قریش مکہ کے نظام سے محفوظ ہوگئے ،اگر خدانخواستہ مسلمانوں کوشکست وہزیمت کا سامنا کرنا پڑتا تو یہودان کی زندگی اجیرن کردیتے ،اورقریش مکہ ان کا جینا دوبھر کردیتے ، قصہ مختصر یہ کہ آج جو کچھ بھی ہے، سب اسی جنگ بدر میں فتح یابی کا صدقہ اور پرتو ہے''۔

غزل

میرے لہوسے بہاروں میں دل کشی آئی
میرے نصیب میں پھر بھی نہ اک کلی آئی

اسی نے دے دیا دھوکہ جسے کہا اپنا
ہمارے کام کہاں کس کی دوستی آئی

خزاں پرست گوارہ نہ کرسکے اس کو
میرے حیات کے گلشن میں جو خوشی آئی

چمن میں چارسو آہ وفغاں ہے بلبل کی
سوال یہ ہے تیرے لب پہ کیوں ہنسی آئی

بہت تلاش کیامیں نے زندگی تجھ کو
مگر کہیں بھی نہ صورت تری نظر آئی

زمانہ رو دیا حالت کو دیکھ کر میری
سوال یہ ہے کہ پھولوں کو کیوں ہنسی آئی

کمی کسی کی یہ سالکؔ تلاش کیوں کرنا
میری نظر میں فقط اپنی ہی کمی آئی

سالک بستوی
مقام غوری، پوسٹ بجھابازار
سدھارتھ نگر (یوپی)

تاریخ کے دامن سے

پہلی قسط

علامہ نصیر الدین طوسی، دیو قامت ہیئت داں

محمد زکریا ورک (کنگسٹن کینیڈا)

ابوجعفر محمد ابن محمد ابن الحسن خواجہ نصیر الدین طوسی ایران کا ممتاز فلاسفر، ریاضیدان، ہیئت دان، فزیشن، سائنسداں تھا، بطلیموس سے لے کر کوپرنیکس تک کے عرصہ میں صرف علامہ طوسی ہی عبقری ہیئت دان پیدا ہوا تھا، اس نے دونوں زبانوں عربی اور فارسی میں کتابیں لکھیں، وہ درحقیقت دنیائے اسلام کا جلیل القدر سائنسداں تھا، اس کا لقب محقق تھا۔

علامہ 1201ء میں آج کے مشہد کے قریب ساوا (طوس، خراسان) میں بزم جہاں آراء ہوئے، ممتاز ریاضیداں، عالم دینیات اور انسائیکلو پیڈیا نویس کمال الدین ابن یونس (1242-1156ء موصل) علامہ طوسی کا استاد تھا، طوس میں علامہ نے عربی، قرآن، حدیث، فقہ، منطق، ریاضی، طب اور ہیئت کی تعلیم حاصل کی، کچھ عرصہ بعد نیشاپور نقل مکانی کر گئے تا کہ فریدالدین داماد سے فلاسفی اور محمد حاسب سے تعلیم حاصل کر سکیں، یہاں آپ کی ملاقات صوفی شیخ فریدالدین عطار سے بھی ہوئی۔

جب چنگیز خاں ان کے وطن عزیز پر حملہ کیا تو وہ اسماعیلیوں کے ساتھ مل گئے اور در بدر پھرتے رہے، بائیس سال کی عمر میں وہ ناصر الدین محتشم کے درباریوں میں شامل ہوئے جو قوہستان میں اسماعیلی گورنر تھا، طہران سے ایک سو کلومیٹر دور، علاموت (فارسی درالموت) اس وقت نظاری اسماعیلی حکومت کا مرکز تھا، یہاں ایک بہت وسیع لائبریری بھی تھی، طوسی کی علمیت کے پیش نظر وہ جلد ہی داعی الدعات (چیف مشنری) بن گئے، حسن بن صباح کے ایجنٹوں نے علامہ کو اغوا کر کے علاموت کے قلعہ میں نظر بند کر دیا تا وقتیکہ منگولوں نے 1256ء میں قلعہ پر حملہ کر کے ان کو آزاد کروا لیا، طوسی نے منگولوں کے خوف سے اپنا عقیدہ ظاہر نہ ہونے دیا اور انہی کے مشورہ پر حشیشین فرقہ کے گرینڈ ماسٹر رکن الدین خورشاہ نے خود کو ہلاکو خاں کے حوالے کر دیا، اس کے ساتھ نصیر الدین طوسی بھی ہلاکو خاں کا اعتماد حاصل کر کے اس کے مقربین خاص میں شامل ہو گئے۔

نابغہ روزگار علامہ طوسی شاید منگول سردار ہلاکو خاں (1265-1256ء) کی فوج میں اس وقت شامل قافلہ تھے جب اس نے فروری 1258ء میں بغداد کو تہس نہس کر کے عباسی خلافت کو بھی اوراق پارینہ کا حصہ بنا دیا، بعض کا کہنا ہے کہ ہلاکو کو بغداد پر حملہ کا مشورہ علامہ طوسی نے دیا تھا، علامہ طوسی کی علمی قابلیت اور سیاسی بصیرت کے پیش نظر ہلاکو خاں نے آپ کو وزیر مقرر کیا، علامہ علم جوتش پر بھی دسترس رکھتے تھے اس لئے ہلاکو خاں ان کا گرویدہ ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ وہ ہر مہم پر جانے سے قبل علامہ طوسی سے علم نجوم کے مطابق مشورہ لیا کرتا تھا، طوسی کو اوقاف کا مہتمم بنایا گیا اور آنیوالی رقوم سے انہوں نے مراغہ میں رصدگاہ اور لائبریری قائم کی، مراغہ میں کافی سال قیام کے بعد 1274ء میں وہ بغداد گئے جہاں داعی اجل کو لبیک کہا، خادمین میں آپ کے مزار کے کتبہ پر خوش خط الفاظ میں یہ لکھا ہوا ہے: "دین اور لوگوں کا مددگار، مملکت سائنس کا تاجدار، ایسے فرزند نے اس سے پہلے جنم نہیں لیا تھا"۔

علمی کارنامے:

امریکہ کے مشہور مؤرخ سائنس جارج سارٹن کے مطابق علامہ طوسی کی 46 شاہکار کتابیں ابھی تک محفوظ ہیں، شاید یونانی شدھ بدھ بھی رکھتے تھے، اس لیے آپ نے یونانی علوم کا گہرا مطالعہ کیا تھا، یونانی

حساب کے علوم سے واقفیت انہوں نے عربی میں یونانی کتابوں کے تراجم اور شرحوں سے حاصل کی تھی، ایک مشاق ترجمہ نگار ہونے کی وجہ سے آپ نے چند یونانی کتابوں کو عربی تراجم سے فارسی میں منتقل کیا، متعدد کتابوں کی تدوین کیں، کتاب المتوسطات بین الہندسہ والہیئہ (جیومٹری اور اسٹرانومی پر درمیانی کتاب) سے مراد یہ تھی کہ یہ کتاب عناصر اور مجسطی میں اضافہ تھی، کتابوں کے اس مجموعہ یعنی "متوسطات" میں یونانی ریاضیدانوں، اقلیدس، ارشمیدس، بطلیموس، مینالاؤس، آٹو لائیکاوز، اپولونیوس، آرسٹارکوس، نیز عرب ریاضیدانوں ثابت ابن قرۃ، بنوموسیٰ برادران اور نصیر الدین کی کتابیں شامل تھیں، استنبول کی آیا صوفیہ لائبریری میں اس کا مسودہ موجود ہے، جس کا نام مجموعہ فی الہیئہ والہندسہ ہے۔

علامہ نے جیومٹری میں ایک نئی تکنیک ایجاد کی جس کو تھیورم آف نصیر الدین کہا جاتا ہے، پروفیسر ای ایس کینیڈی نے اس کو "زوج طوسی" (طوسی کپل Tusi Couple) کا اصطلاحی نام دیا تھا، اس تھیورم کی وضاحت کیلئے انٹرنیٹ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جہاں اس موضوع پر معلومات کا بیکراں ذخیرہ موجود ہے، مختصر یہ کہ یہی تھیورم کوپرنیکس نے سولہویں صدی میں اپنی شاہکار کتاب میں پیش کیا اور جہاں الطّوسی نے اپنی ڈایا گرام میں الف لکھا تھا، کوپرنیکس نے اسے A لکھا، جہاں الطّوسی نے ب لکھا تھا، اس نے B لکھا اور ہو بہو وہی ڈایا گرام پیش کی۔

مسلمان ریاضیدانوں کو اقلیدس کے مفروضہ پنجم (Fifthpostulate) کو دریافت کرنے کا بہت شوق تھا، اس ضمن میں نصیر الدین الطّوسی نے ایک خاص جیومیٹرک کنسٹرکشن دریافت کی، الطّوسی کی اس دریافت کو نیوٹن سے پہلے برطانیہ کے عظیم ریاضیداں جان والس J. Wallis (1616-1703) نے اپنی ریسرچ میں استعمال کیا، اس کے بعد ایک اور ریاضیداں ساچیری Saccheri(1667-1733) نے بھی استعمال کیا، مگر کسی نے بھی اس کا سہرا طوسی کے سر نہیں باندھا۔

حساب اورالجبراء:

مختصر بالجامع الحساب بالتخت ولتراب، عربی اور فارسی میں موجود ہے، وراثت کے مسائل پر کتاب، کتاب الجبر والمقابلہ۔

جیومیٹری:

الاصول الموضوعہ (اقلیدس کے مفروضے پر مقالہ) اقلیدس کے پانچویں مفروضے پر بحث، قوائد الہندسہ (جیومیٹری کے اصول) تحریر الاصول، اقلیدس کی عناصر کا نسخہ جدید، عناصر کا طویل نسخہ جدید جس میں حجاج ابن مطار اور ثابت ابن قرۃ کے نوٹس اور اضافات شامل تھے، عناصر کے ۱۰۵ مسائل، تحریر المفرودات لثابت ابن قرۃ، اپالونیس کی کونکس، ارشمیدس کی دائرے کی تقسیم، عناصر کا مختصر نسخہ جدید۔

علم مثلثات:

ریاضی میں نصیر الدین کی دائمی شہرت ٹریگانومیٹری میں اضافات کی وجہ سے ہے، طوسی نے مینالاؤس کی سفیرکس کا نیا ایڈیشن تیار کیا جو ابونصر منصور (بیرونی کے استاد 970-1036ء) سے مشابہت رکھتا تھا، کتاب شکل القطاع (Figure of the sector) ایسی شاہکار کتاب تھی جو چشم فلک نے اس سے پہلے نہ دیکھی تھی، یہ پہلی نصابی کتاب تھی جس میں ٹریگانومیٹری کو اسٹرانومی سے علیحدہ بہ حیثیت علم کی آزاد شاخ تسلیم کیا گیا تھا، عہد وسطیٰ میں یہ بہت بڑا کارنامہ تھا، سائن لاء کی اس میں واضح فارمولیشن دی گئی اور دو ثبوت بھی پیش کئے گئے تھے۔

مراغہ کی رصدگاہ:

علامہ طوسی نے مراغہ میں پندرہ سال تک (1259-1274ء) قیام کیا تھا، مراغہ آذربائیجان میں، تبریز کے جنوب میں واقع ہے، یہ الخان ہلاکو خاں کا ہر دلعزیز شہر تھا (الخان منگول حکمرانوں کا لقب ہوتا تھا جس کے معنی ہیں عوام کا خان) بغداد کے آخری عباسی خلیفہ معتصم کو شکست دینے کے بعد اس نے مراغہ کے قریب رصدگاہ اور لائبریری کی تعمیر کا حکم دیا، یہ تاریخی کام علامہ طوسی کو تفویض کیا گیا، تعمیر کا کام 1259ء میں مکمل ہوا، رصدگاہ ایک قلعہ نما پہاڑ پر تعمیر کی گئی تھی، اس کے آثار قدیمہ ابھی بھی قابل دید ہیں، پہاڑ کا وہ حصہ جو لیول کیا گیا تھا اس کی چوڑائی 137 میٹر اور لمبائی 347 میٹر ہے۔

روایت ہے کہ علامہ طوسی نے ہلاکو خاں کو رصدگاہ تعمیر کرنے کا مشورہ دیا تھا، مشہور مؤرخ حاجی خلیفہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے: ''طوسی نے ہلاکو کو مشورہ دیا کہ رصدگاہ تعمیر ہونی چاہئے، ہلاکو نے پوچھا ہمیں رصدگاہ کی کیا ضرورت ہے، کیا ستاروں کی سائنس اتنی ضروری ہے کہ ہم اتنی کثیر رقم خرچ کریں؟ طوسی نے جو پلان بنایا تھا اس کیلئے واقعی بڑی رقم درکار تھی، طوسی نے جواب دیا مجھے ایک تجربہ کی اجازت دیجئے؟ آیئے ہم ایک شخص کو پہاڑ کی چوٹی پر بھیجتے ہیں تاکہ وہ وہاں جا کر بڑی وزنی دیگ نیچے کی طرف لڑھک دے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جب وزنی دیگ نیچے سطح زمین کی طرف لڑھکتی ہوئی آئی تو اس سے خوفناک آواز پیدا ہوئی جس سے اس کے سپاہی خوفزدہ ہو گئے، علامہ نے الخان سے مخاطب ہو کر کہا: ''اس شور و غل کی وجہ ہمیں معلوم تھی فلک پر جو شور و غل ہوتا ہے اس کے اسرار جاننا ہمارے لئے ضروری ہے''، ہلاکو خان قائل ہو گیا اور دو ہزار دینار اس پروجیکٹ کیلئے منظور کر دئے۔

رصدگاہ میں جدید قسم کے اعلیٰ ترین آلات ہیئت نصب کئے گئے تھے جو شاید بغداد اور علاموت کے قلعہ سے لائے گئے تھے، ابن شاکر کے بقول اس میں چار لاکھ کتابوں کا انمول ذخیرہ تھا جو منگول فوج نے شام، عراق، ایران میں حاصل کی تھیں، وقف سے اس کے انتظامی امور کیلئے اچھی خاصی رقم مختص کی گئی تھی، اس کو دیکھ کر بغداد کی آٹھویں صدی کی خلیفہ مامون کی تعمیر کردہ بیت الحکمۃ، یا قاہرہ کی دارالحکمۃ کی یاد تازہ ہوتی تھی، رصدگاہ میں مشاہدات فلکی کیلئے حالات بہت سازگار تھے، شومئی قسمت سے رصدگاہ صرف چالیس سال تک کام کرتی رہی، اس کے دم توڑنے کے بعد اسلام میں اس درجہ و رتبہ کی رصدگاہ ڈیڑھ سو سال بعد 1420ء میں سمرقند میں سلطان الوغ بیگ نے تعمیر کی تھی۔

علامہ طوسی مراغہ رصدگاہ کا پہلا ڈائریکٹر (صاحب الرصد) تھے، بعدہ اس کے دو بیٹے اس کے جانشین بنے، زیج الخانی میں آپ نے لکھا ہے کہ یہاں ریسرچ کے دوران ان کے متعدد رفیق کار تھے جیسے: معید الدین الاردی، فخر الدین خلاطی، علی ابن عمر قزوینی، فخر الدین مراغی آف موصل، محی الدین مغربی (ہیئت داں) اور عالی وقار ابوالفرج (1268-1279ء) ابوالفرج نصرانی نے مراغہ میں اقلیدس اور بطلیموس پر لیکچر دئے تھے اس لیکچروں کے نوٹس کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، احمد ابن شیبانی ابن الفطوطی (1244-1323ء) نے بھی یہاں سائنسی کام کیا جو بغداد کی تباہی کے دوران قیدی بن کر یہاں آیا تھا اور علامہ طوسی کا نائب رہنے کے بعد مراغہ لائبریری کا منتظم بھی رہا، بیان کیا جاتا ہے کہ ہلاکو خاں چین سے متعدد نامور چینی ہیئت داں اور سائنسدان بھی لایا تھا ان میں سے ایک کا نام فاؤ من جی (Fao-Mun-ji) تھا، اس چینی ہیئت دان کی وساطت سے علامہ طوسی نے چینی علم ہیئت اور ان کے کیلنڈر سے شناسائی حاصل کی تھی۔

یہاں دو اور سائنسدانوں نے بھی ریسرچ کا کام کیا (1) علی ابن عمر الکاتبی (1277ء) نے انسائیکلوپیڈیا کی طرز کے کئی کتابیں تالیف کیں، حکمۃ العین میں اس نے زمین کی یومیہ گردش کا ذکر کیا مگر بعد میں اسکی تردید کی کیونکہ حرکت خط مستقیم میں ہوتی ہے اسلئے ہم تسلیم نہیں کرتے کہ زمین دائرے کی صورت میں حرکت کرتی ہے (2) قطب الدین شیرازی (1236-1311ء) تبریز بذات خود چوٹی کا ریاضیداں اور ہیئت داں تھا، اس کی کتاب نہایہ الادراک ایک طور پر تذکرہ طوسی کی شرح ہے، شیرازی نے بھی زمین کی حرکت کو موضوع بحث بنایا مگر آخر میں یہی فیصلہ دیا کہ زمین ساکن ہے، یہ بات کہ ان دو عظیم سائنسدانوں نے زمین کی حرکت کو موضوع بحث بنایا تھا عہد وسطیٰ میں بہت بڑی بات تھی کیونکہ بطلیموس کے نظریات کا اس وقت گہرا اثر تھا، کسی تھیوری میں نقائص نکالنا آسان ہے بجائے اس کہ نئی یا متبادل پیش کرنے کے، بطلیموس کی مجسطی میں جو غلطیاں پائی جاتی تھیں ان کو سمجھنے اور دور کرنے کا سہرا کوپرنیکس کو ہی ملنا تھا، یورپ میں کسی عالم نے اس مسئلہ کو موضوع سخن نہیں بنایا تھا۔

اس بین الاقوامی سائنسی انسٹی ٹیوٹ میں کام کرنے والے سائنس دانوں کے حالات سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں مسلمان، نصرانی، ایرانی،

یہودی، جارجین، منگولین سائنسداں کام کرتے تھے،اس لئے عالم اسلام میں سائنس کو واقعی عالمگیریت حاصل تھی، کسی کو کسی کے مذہب، اعتقادات سے سروکار نہ تھا،سب کا مطمح نظر سائنس برائے سائنس تھا۔

رصدگاہ کے آلات:

رصدگاہ کے ساتھ ایک فاؤنڈری،اورٹول شاپ منسلک تھی، یہاں پر استعمال ہونیوالے آلات علامہ طوسی کے معتمد معید الدین الاردی (1266ء) کی زیرنگرانی بنائے گئے تھے،ایک محل اور دیدہ زیب مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی،آلات ہیئت پر''رسالہ فی کیفیہ الارصاد و ما یحتاج الی علمہ وعملہ من طروق المود یہ الی معرفہ اودات الکواکب''الاردی نے لکھا تھا،آلات ہیئت درج ذیل تھے: mural quadrant, armillary sphere, solstitial armil, equinoctial armil, Hipparchès diopter(alidade), instrument with two quadrants, instrument with two limbs, instrument to determine sines and azimuths, instrument to determine versed sines, the perfect instrument (11) parallactic ruler ۔

نہ صرف ان آلات کے نام دئے گئے تھے بلکہ ان کے بنانے اور استعمال کی وضاحت بھی گئی تھی،مراغہ کی رصدگاہ میں دیگر سائنسی آلات کے علاوہ ایک بارہ فٹ لمبا آلہ ربع،قواڈرنٹ(Quadrant)اور ایک ایذی متھ(Azimuth) تھا،جنہیں طوسی نے خود تیار کیا تھا۔

سولہویں صدی کے ایک عالم خواندہ میر مصنف حبیب السیار 1523ء نے مراغہ کے آلات کے نام جو دئے تھے وہ یہ ہیں:(ا) تماثیل اشکال الافلاک(۲) تدویرات (اپی سائکل)، حوامل(ڈفرانٹ)،(۳) دوائر الموحومہ وصور و بروج دوازدگانہ (تصوراتی دائرے، تارا منڈل اور اسماء بروج)۔

علامہ طوسی نے خود ایک آلہ ہیئت ایجاد کیا تھا جس کا نام ٹورکٹ(Turquet) تھا، two graduated circles in two perpendicular planes یہی آلہ اندلسی ہیئت دان جابر ابن افلاح (1150ء) نے بھی بنایا تھا،علامہ طوسی نے سائن قواڈرنٹ پر رسالہ نزہت النظیر (دیکھنے والے کیلئے تلذذ) لکھا،اصطرلاب پر ایک رسالہ فارسی میں لکھا: رسالہ بست باب در معرفت اصطرلاب،عبد العلی بر جندی(1532ء) نے اس کی شرح لکھی تھی۔

زیج الخانی:

مراغہ میں جوشاندار ریسرچ کا کام کیا گیا وہ زیج الخانی کی تکمیل تھی، یہ زیج ہلاکو خاں کے حکم پر تیار ہوئی تھی،زیج پر کام 1259ء میں شروع ہوا، علامہ طوسی نے دعویٰ کیا کہ اس کی تیاری پر کم از کم تیس سال درکار ہوں گے؛ کیونکہ یہ کم ترین عرصہ تھا جس میں پلینٹری سائیکلز مکمل ہوتے تھے، مگر ہلاکو خاں نے اس کو صرف بارہ سال کی مہلت دی،علامہ طوسی نے پوری کوشش کا وعدہ کیا اور شب و روز کی دیدہ ریز محنت سے کام کر کے یہ زیج بارہ سال میں مکمل کر دکھائی، زیج الخانی میں سیاروں کا محل وقوع اور ستاروں کے نام معلوم کرنے کیلئے جدول فراہم کئے گئے تھے،آسمان کے نقشے کے ساتھ 990 ستاروں کی کیٹلاگ دی گئی تھی،علامہ طوسی کا سیاراتی نظام اپنے وقت کا ایڈوانس ترین نظام تھا اور کوپرنیکس کے ہلیوسینٹرک سسٹم کے وضع کرنے میں استعمال کیا گیا تھا۔

زیج الخانی فارسی میں لکھی گئی تھی،شہاب الدین حلابی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا،اس کے بعد علی ابن رفاعی نے 1527ء میں دوبارہ حل الزیج کے نام سے کیا،علامہ طوسی کے بیٹے اصیل الدین الحسن کی تیار کردہ زیج کی کاپی اور اس پر نیشاپوری کی شرح کشف الحقائق کے نام سے موجود ہے،علی شاہ ابن محمد خوارزمی نے ایک اور شرح ''العمدۃ الخانیہ'' کے نام سے لکھی، توضیح زیج الخانی(1392ء) کا مصنف الحسن سمنانی تھا،الوغ بیگ کی سمرقند رصدگاہ کے پہلے ڈائریکٹر جمشید کاشانی نے زیج خاقانی کے نام سے طوسی کی زیج کا ضمیمہ تیار کیا تھا،زیج الخانی میں نہ صرف نئے مشاہدات دئے گئے تھے بلکہ پرانے ہیئت دانوں (بطلیموس،ہپارکس اور مامون کے ہیئت دان البتانی،ابن العالم،ابن یونس) کی تیار کردہ زیجوں سے بھی استفادہ کیا گیا تھا۔ ❁❁

محاسن اسلام

پہلی قسط

یتیموں کی کفالت قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا محمد عامر ندوی، رئیس قسم المشاریع جمعیۃ شیخ عبداللہ النوری، کویت

اسلامی قانون نے یتیم کے معاملات اوراس کی حفاظت ونگرانی کا اہتمام کیا ہے اوراس کے لئے ایسے اصول وضابطے، ہدایات اور حقوق مقرر کئے ہیں جواس کی بہتر زندگی اوراجتماعی اور ذہنی سکون کے ضامن ہیں اس طرح اسلام میں یتیموں کی حفاظت اورنگرانی کی بڑی اہمیت ہے، ہم اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سطور میں روشنی ڈالیں گے، سب سے پہلے یتیم کی تعریف: اوراس کی فضیلت بیان کی جائے گی اوریتیم کی کفالت سے متعلق قرآن وحدیث میں جو ہدایات اور فضیلتیں ہیں ان کو ذکر کیا جائے گا، پھر اخیر میں اس کی حفاظت ونگرانی کے بنیادی اصول کا بھی تذکرہ کیا جائے گا، جو اسلام سے ثابت ہیں، اللہ تعالی کی ذات سے امید ہے کہ ہمیں اس کی توفیق دے، جس میں اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی ہو۔

یتیم کی تعریف:

عربی زبان میں یتم کے معنی انفراد کے آتے ہیں اوریتیم کے معنی فرد کے اور ہر مفرد شئی جس کی نظیر مشکل ہوتو وہ یتیم کہلائیگی، اوریتیم کی اصل غفلت ہے، اوریتیم کو یتیم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنی نیکی وبھلائی سے غافل ہوتا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے "ان الیتم الإبطاء" یتم غفلت اورسستی کو کہتے ہیں اوراسی سے یتیم ماخوذ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے "فی سیرہ یتم " یعنی اس کی چال میں سستی، کمزوری اورفتور ہے، اورلفظ یتیم اپنے اصلی لغوی معنی میں انفراد، ضعف اورسستی اورحاجت پر منحصر ہے اور یہ تمام صفات اکثر یتیم میں پائی جاتی ہیں۔

عرب کہتے ہیں کہ "یتیم" وہ ہے جس کا باپ مرجائے اور "عجی" وہ ہے جس کی ماں مرجائے، اورجس کے ماں باپ دونوں مرجائیں تو وہ "لطیم" ہے، مگر یتیم مطلقاً ہر اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کے والدین یاان میں سے کوئی فوت ہوجائے اور بچہ کے لیے بھی یتیم کا لفظ بولا جاتا ہے، جب کہ بلوغ سے پہلے اس کے والدین کا انتقال ہو جائے، تووہ یتیم ہی کہلائے گا، جب تک کہ بالغ نہ ہو، اورعورت کے لیے بھی یتیم کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جب تک وہ شادی نہ کرے، پھر جب وہ شادی کرلے، اسے یتیم نہیں کہا جائے گا اوریتیم کی جمع ایتام اور یتامی آتی ہے۔

شریعت میں یتیم اسے کہتے ہیں جس کے والد کا انتقال ہوگیا ہو، اوروہ نابالغ ہواور یہ تعریف حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے "لایتم بعد احتلام، و لاصمات یوم إلى اللیل "لیکن اس سے یتیم کا حکم ختم ہونے کے وقت کی تعیین میں فقہاء اسلام کے درمیان اختلاف ہے، اس لیے کہ عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ "بلا شبہ آدمی کی داڑھی نکل آتی ہے، اوروہ اپنی خاطرلین دین میں کمزور ہوتا ہے لیکن جب وہ اپنے لیے لوگوں سے اچھی چیزیں لینے لگے تو اس سے یتیم کا حکم ختم ہو جائے گا" اور یہ مالی تصرف کے احکام میں سے ہے، کیونکہ یتیم کا حکم بالغ ہونے کے بعد ختم ہوجاتا ہے، اس لیے کہ حدیث نبوی میں وارد ہے "لایتم بعد احتلام، و لاصمات یوم إلى اللیل"
جہاں تک تنظیموں اوراداروں میں یتیم کی تعریف کی بات ہے تو وہاں یتیم وہ ہے جس کے والدین یاان میں سے کوئی ایک وفات پاجائے اسی طرح ہر وہ بچہ جو مجہول الاب یعنی جس کے والد نامعلوم ہوں تووہ اجتماعی اور تنظیمی معاملات میں یتیم کے حکم میں ہوگا، چنانچہ جہاں بھی یتیم کا لفظ استعمال ہوگا وہاں وہی لوگ مراد ہوں گے جن کے والدین یاان

میں سے کوئی ایک وفات پا چکے ہوں، یا دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں نامعلوم ہوں۔

یتیم قرآن مجید کی روشنی میں :

۱-"وَيَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ، وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ "(البقرہ ۲۲۰)

اورلوگ آپ سے یتیموں کے باب میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے، اوراگرتم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھوتو وہ تمہارے بھائی ہیں، اللہ کوعلم ہے کہ مفسد کون اور مصلح کون۔

۲-"وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ، وَمَاتَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْماً "(النساء ۱۲۷)

اور جو (آیات اس باب میں ہیں) کہ یتیموں کے معاملات میں انصاف برتو اورتم جو کچھ بھی نیکی کروگے، سواللہ تعالی اس کا خوب علم رکھتا ہے۔

۳-"لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ " (البقرہ ۱۷۷)

طاعت یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لیا کرو بلکہ طاعت یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ اور قیامت کے دن اور فرشتوں اورکتاب اور پیغمبروں پرایمان لائے اوراس کی محبت میں مال تقسیم کرے قرابت داروں اوریتیموں اورمسکینوں پر۔

٤-"يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَااَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَاتَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ "(البقرہ: ۲۱۵)

آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تمہیں مال سے خرچ کرنا ہے، سووہ حق ہے والدین کا اورعزیزوں کا اوریتیموں کا اورمسکینوں کا اورمسافروں کا اور جو بھی نیکی کروگے، اللہ تعالی کواس کا پوراعلم رہتا ہے۔

۵-"وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَاتُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ "(النساء ۳٦)

اللہ کی عبادت کرواورکسی چیز کواس کا شریک نہ کرواورحسن سلوک رکھووالدین کے ساتھ اورقرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اورمسکینوں کے ساتھ۔

٦-" كَلَّابَل لَّاتُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ " (الفجر ۱۷)

ہرگز ایسانہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی قدراورخاطرنہیں کرتے۔

۷-" فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ "(الضحی ۹)

توآپ یتیم پرسختی نہ کیجئے۔

۸-"وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّأَسِيْراً اِنَّمَانُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْراً"(الدھر: ۲۲)

اوروہ لوگ خدا کی محبت سے غریب اوریتیم اورقیدی کوکھانا کھلاتے ہیں، ہم تم کومحض خدا کی رضامندی کے لیے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے بدلہ چاہیں اورنہ شکریہ چاہیں۔

یتیم حدیث نبوی کے آئینے میں :

۱-"عن سهل بن سعدرضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا وكافل اليتيم فى الجنة هكذا وأشار بالسبابة والوسطى وفرج بينهما (رواه البخارى)

سہل بن سعدرضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا میں اوریتیم کی کفالت کرنے والے جنت میں اس طرح ہوں گے، اورسبابہ اوروسطی سے اشارہ فرمایا اوران دونوں کے درمیان کشادگی پیدا کی، حافظ ابن حجر اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں "ابن بطال کہتے ہیں جوشخص اس حدیث کوسنے اس پر یہ حق ہے کہ اس پرعمل کرے تاکہ وہ جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

رفیق بن سکے اور آخرت میں اس سے بڑھ کر کوئی مقام و مرتبہ نہیں'' پھر علامہ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور یتیم کی کفالت کرنے والوں کے درجہ کے درمیان میں اتنا ہی تفاوت اور فاصلہ ہے جتنا کہ انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کے درمیان، مزید حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ترمذی کی شرح میں ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ شاید یتیم کی کفالت کرنے والے کی دخول جنت سے تشبیہ دینے یا جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت یا ان کا مقام و مرتبہ سے تشبیہ دینے کی حکمت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوم کی طرف بھیجا گیا تھا جو اپنے دینی معاملات سے واقف نہیں تھے، گویا کہ وہ ان کے لیے معلم و مرشد اور کفالت کرنے والے بھی تھے، اور اسی طرح یتیم کی کفالت کرنے والا بھی اس کی کفالت کرتا ہے، جو اپنے دینی بلکہ دنیوی معاملات سے بھی واقف نہیں ہوتا جس کی وہ رہنمائی کرتا ہے، اور اسے سکھاتا ہے اور اچھے آداب واخلاف سکھاتا ہے، چنانچہ کافل کی بھی مناسبت حضور سے ظاہر ہے۔

۲- عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم "قال الساعی علی الارملة والمسكين كالمجاهد فی سبيل الله وأحسبه قال، وكالقائم الذی لايفتر وكالصائم لايفطر" (رواه البخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیوہ اور مسکین کی دیکھ بھال کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے (راوی کہتے ہیں کہ) مجھے گمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا رات میں قیام کرنے والے کی طرح ہے جو سست نہیں ہوتا یا روزہ دار کی طرح ہے، جو افطار نہیں کرتا۔

۳-عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم "كافل اليتيم له أولغيره انا وهو كهاتين فی الجنة" (رواه مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے پاس یا غیر کے پاس رہنے والے یتیم کی کفالت کرنے والا اور میں اس طرح جنت میں ہوں گے۔

۴-قال النبی صلی الله عليه وسلم "من ضم يتيماً بين مسلمين فی طعامه وشرابه حتی يستغنی عنه وجبت له الجنة" (رواه ابويعلی والطبرانی واحمد)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مسلمانوں میں سے ایک یتیم کو اپنے کھانے اور پینے میں شریک کیا، حتی کہ وہ اس سے بے نیاز ہو جائے، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

۵-عن ابی الدرداء رضی الله عنه قال أتی النبی صلی الله عليه وسلم رجل يشكو قسوة قلبه؟ قال: أتحب أن يلين قلبك وتدرك حاجتك؟ ارحم اليتيم وامسح رأسه واطعمه من طعامك يلن قلبك وتدرك حاجتك "(رواه الطبرانی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جو اپنی قساوت قلبی کی شکایت کر رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے، اور تم اپنی ضرورت کو پالو، تو یتیم پر رحم کرو اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرو اور اسے اپنے کھانے میں سے کھلاؤ، تمہارا دل نرم ہو جائے گا، اور تم اپنی ضرورت کو پالو گے۔

۶-عن النبی صلی الله عليه وسلم "من وضع يده علی رأس يتيم رحمة، كتب الله له بكل شعرة مدت علی يده حسنة "(رواه الامام احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی یتیم کے سر پر شفقت و محبت میں ہاتھ رکھا تو اللہ تعالی ہر بال کے بدلہ اس کے لیے ایک نیکی لکھے گا۔

۷-عن ابی هريرة رضی الله عنه أن رجلاً شكاالی رسول الله صلی الله عليه وسلم قسوة قلبه فقال له: "إن أردت تليين قلبك، فاطعم المسكين، وامسح رأس اليتيم" (رواه احمد)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قساوت قلبی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو۔

۸-عن مالك بن الحارث انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول: من ضم یتیماً بین أبوین مسلمین إلی طعامه وشرابه حتی یستغنی عنه وجبت له الجنة البتة ومن اعتق امرأً مسلماً كان فكاكه من النار یجزی بكل عضو منه عضوا من النار" (رواه أحمد)

حضرت مالک بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان والدین کے ایک یتیم کو اپنے کھانے اور پینے میں شریک کرے گا، حتی کہ وہ اس سے بے نیاز ہو جائے تو یقیناً اس کے لیے جنت واجب ہوگئی اور جس نے ایک مسلمان آدمی کو آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا اس کے لیے جہنم سے چھٹکارے کا سبب بن جائے گا۔

۹-عن ابی امامة رضی اللّٰہ عنه ان رسول الله صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:من مسح راس یتیم لم یمسحه الااللّٰہ كان له بكل شعرة مرة علیها یده حسنات ، ومن أحسن الی یتیمة اویتیم عنده كنت أنا وهو فی الجنة كهاتین ، وفرق بین اصبعیه السبابة والوسطی" .

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اللہ کے لیے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے لیے ہر بال کے بدلہ نیکیاں ہیں اور جس نے کسی یتیم بچہ یا بچی کے ساتھ جو اس کے پاس ہے حسن سلوک کیا تو میں اور وہ جنت میں اس طرح ہوں گے اور اپنی دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطی کو جدا کیا۔

۱۰-عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه قال رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم "ان هذا المال خضرة حلوة ونعم صاحب المسلم هو لمن اعطی منه الیتیم والمسكین وابن السبیل" (رواه احمد)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بلاشبہ یہ مال سرسبز وشاداب اور شیریں ہے اور بہترین مال والا وہ شخص ہے جو اپنے مال میں سے یتیم اور مسکین اور مسافر کو دے۔

۱۱-عن ابن عباس رضی الله عنه ، ان النبی صلی الله علیه وسلم قال : من قبض یتیماً من بین المسلمین إلی طعامه وشرابه ادخله الله الجنة البتة إلا ان یعمل ذنباً لایغفرله" (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پینے میں شریک کیا تو اللہ تعالی اسے جنت میں داخل فرمائیں گے، مگر یہ کہ وہ ایسا گناہ کرے جسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔

۱۲-قال علی بن ابی طالب رضی الله عنه : اعینوا الضعیف والمظلوم والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب، وارحموا الأرملة والیتیم "

حضرت ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کمزور، مظلوم، قرض دار، مجاہد فی سبیل اللہ، مسافر، مانگنے والے، اور غلام کی مدد کرو اور بیوہ اور یتیم پر رحم کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جملہ وصیتوں میں سے ایک وصیت یہ بھی ہے کہ یتیم کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو۔

مرکز کی تازہ ترین مطبوعات

۱-الامامة فی الصلوة مسائلها واحکامها: قیمت ۲۰/روپے

۲-دو آب دار موتی: قیمت ۷/روپے

۳-تذکرہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی: قیمت ۷/

۴-مقالات عزیزی: ۱۰۰/روپے

۵-اسلام میں پردہ کی اہمیت: قیمت ۶/روپے

دعوت فکر

آج میری تلوار کند کیوں؟

مولانا انعام الرحمٰن مدرسہ فلاح المسلمین، رائے بریلی

ایک زمانہ تھا کہ چاروں طرف اسلام کا بول بالا تھا، امن وآشتی، مساوات ورواداری کا دور دورہ تھا، مسلمانوں کی سطوت واقتدار کا غلغلہ بلند تھا، اخوت وبھائی چارگی کا درس عام تھا، استاد کی فرمانبرداری، والدین کی اطاعت، بڑوں کا ادب واحترام، چھوٹوں پر شفقت، کمزوروں اور بے بسوں پر مہربانی اور ان کی ہمدردی وخیر خواہی، محسن کی احسان شناسی، امین کی امانت داری غرضیکہ سب کچھ تھا، جہاں یہ چیزیں عام رواج پا چکی تھیں وہیں مسلمانوں کا شیوہ اور شناخت بھی بن گئی تھیں۔

لیکن آج پورا نقشہ ہی بدل گیا ہے، اور حالات نے ایسی کروٹ لی ہے کہ پورا معاملہ الٹ گیا ہے، ہمارے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، طرح طرح سے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈے اور سازش کی جارہی ہیں، ہر ضمیر میں سوال ابھرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں؟

جب کہ ہم اس وقت بھی مسلمان ہیں اور اس وقت بھی مسلمان تھے، شمس وقمر اب بھی وہی ہے جو پہلے تھا، قرآن کی تفاسیر، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، اصحاب کی پہچان سو فیصد وہی ہے، تو پھر ہم گیدڑ کی زندگی آج بسر کرنے پر مجبور کیوں ہو گئے؟ جب کہ ہر زمانہ میں اسلام کے دشمن اور مخالف رہے، کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں مخالفت وعداوت نہ ہوئی ہو، اس کا جواب سیدھا سا یہ ہے کہ ایمان میں کمزوری، دنیا کی حد سے زیادہ محبت دلوں میں دشمن کا خوف، موت کی ناپسندیدگی اور جہاد سے فرار وغیرہ ہے۔

اب آیئے ہم اس سوال کا جواب تلاشتے ہیں کہ آج ہماری تلوار کند کیوں؟ جب ہم اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہیں، اپنی تلوار کو آزماتے ہیں تو اسے کند پاتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی تلوار کا استعمال چھوڑ دیا، جب کہ کہاوت ہے ''چندن ملو تو مہکے گا، لوہا ملو تو چمکے گا''۔

ایک مومن کا ہتھیار اور اس کی تلوار حسن اخلاق ہے، آج ہم نے اپنے حسن اخلاق اور قوت ایمانی کو تلوار لے کر میدان میں آنے کے بجائے اسے نیام میں رکھ دیا ہے، اور اگر استعمال بھی کیا تو صرف اپنوں کے ساتھ کرلیا تو کرلیا ورنہ اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

مثال کے طور پر ایک استاذ جو روحانی باپ ہوتا ہے کہ شاگرد کو علم وادب سے آراستہ وپیراستہ کرتا ہے، جینے کا طریقہ سکھاتا ہے، اور شاگرد کے ساتھ تمام طرح کی ہمدردی اور حسن سلوک اور احسان کرتا ہے لیکن نافرمان اور سرکش شاگرد اسی روحانی باپ کے احسان کو بالائے طاق رکھ کر اس کے ساتھ بداخلاقی وبدزبانی کا معاملہ کرنے سے نہیں چوکتا جب کہ صرف مذہب اسلام ہی میں نہیں بلکہ ہر مذہب اور دھرم میں استاذ کی اہمیت اور اس کی عزت کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے۔

اور حضرت علیؓ کا یہاں تک کہنا ہے کہ جس نے مجھے ایک لفظ بھی سکھایا میں اس کا غلام ہو گیا، چاہے فروخت کردے یا آزاد کردے۔

اسی طرح ہم والدین کے احسان کو بھی فراموش کردیتے ہیں، جنھوں نے ہمارے آرام کے لیے رات دن ایک کیا، ہماری کامیابی کو اپنی کامیابی سمجھا اور ہمیں آرام پہنچانے کی خاطر اپنی راحت وآرام قربان کردیا، لیکن جب ہم اپنے سے چلنا سیکھتے ہیں تو سارے احسان کو فراموش کردیتے ہیں اور بسا اوقات انتہائی بداخلاقی کا معاملہ وسلوک کرتے ہیں جب کہ والدین کی اطاعت وخدمت ان کے ساتھ نرمی واخلاق مندی کی تعلیم قرآن وحدیث میں بہت سی آیات واحادیث میں دی گئی ہیں، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پہلے کی طرح باعزت زندگی گزارنے کے لیے آج مسلمانوں کو ایک بار پھر ضرورت ہے بااخلاق بننے کی اور حسن اخلاق وکردار کی تلوار کو تیز کرنے کی، اللہ تعالیٰ سب کو بام عروج تک پہنچائے۔ (آمین)

فکر و عمل

خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ

مولانا محمد نظام الدین ندوی استاذ مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد

جب ایک نوجوان غلط صحبت میں رہتا ہے، غلط اور مخرب اخلاق وکردار لوگوں سے اس کی دوستی ہوتی ہے تو ایک حساس صاحب دل انسان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، بری صحبت کی ہولنا کی اور اس کے برے نتائج اس کی آنکھوں کے سامنے گردش کرنے لگتے ہیں، اس کے ذہن ودماغ میں اس کے برے انجام اور اس کی بربادی اور مستقبل میں ناکامی اور غیروں کے سامنے اس کی پشیمانی اور ٹھوکریں کھانے کے بعد ندامت وحسرت کے آنسوؤں کا ایک بھیانک تصور آنے لگتا ہے اور وہ علامہ اقبال کی زبانی اس طرح بدست دعا ہوتا ہے۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تیری رہے بے داغ
جوانوں کو سوز جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے

یقین جانیئے اس دنیا میں اصل راہ اور اصل مقصد سے بہکانے والے ہزاروں ملیں گے، قدم قدم پر ملیں گے جو ہر طرح سے بہکانے اور غلط راستے پر لگانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے؛ لیکن قبل اس کے کہ وہ کسی غلط صحبت میں آکر اپنے روشن مستقبل کو برباد کرے، ایک مرتبہ ضرور غور کرلے کہ اس کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، رہنا، سہنا، کھیلنا، کودنا، تفریح کرنا، آنا جانا کس کے ساتھ ہورہا ہے، اس دنیا میں انسان کو بہت غور کرکے کسی سے دوستی کرنی چاہئے، اس لیے کہ اب اخلاص اور بے غرضی کا ماحول کم ہے، ہر طرف خودغرضی اور مطلب پرستی کا دور دورہ ہے، ہر انسان اپنے مطلب کی بات کرتا ہے، ہر ایک اپنے مطلب کے تحت کسی سے ملتا جلتا ہے اور باہمی تعلقات استوار رکھتا ہے۔

خودغرضی کی اس دنیا میں ☆ دوستی بھی کیا کرے کوئی

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "الرجل علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل" آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو تم میں سے ہر ایک خوب غور کرلے کہ کس سے اس کی دوستی ہے اور عربی میں مقولہ ہے کہ " خیر صدیق یدلك علی الخیر" یعنی بہترین اور خیر خواہ دوست وہی ہے جو تمہیں بھلائی اور نیکی کا راستہ بتائے، اگر ایسا نہیں ہے تو یہ دوستی نہیں بلکہ دشمنی ہے، اگر دوستی اللہ کی خوشنودی کے حصول اور نیک نیتی اور خلوص پر مبنی ہوتو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نیکی پر آمادہ کرتا ہے، اور برائی پر نکیر کرتا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی اور ایثار وقربانی کا نیک جذبہ رکھتا ہے، تو یہ دوستی یقیناً عنداللہ اور عندالناس مقبول ہے، اس کے برعکس اگر دوستی خودغرضی، مطلب پرستی، ذاتی منافع واغراض پر مبنی ہے تو یقیناً اس کے نتائج اچھے نہیں ہوتے، اور آخر کار دنیا میں جب اپنے دوست واحباب سے تکلیف پہنچتی ہے یا ان سے دھوکہ کھاتا ہے یا ان کے بہکاوے میں آکر زندگی کے ہر میدان عمل میں شکست وریخت سے دوچار ہوتا ہے، تو وہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر اس طرح نوحہ خواں ہوتا ہے۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد آخرت میں جب اس کے سامنے نامہ اعمال پیش کیا جائے گا اور اسے اپنی کوتاہیوں، غلطیوں، لغزشوں اور خطاؤں پر نظر پڑے گی جو خاص کر ان کے بے تکلف دوست واحباب کی وجہ سے سرزد ہوئیں تھیں، تو حسرت وندامت سے کف افسوس ملے

گا جو بے سود ہوگا اور قرآن کے الفاظ میں یوں پکار اٹھے گا۔

"یویلتی لیتنی لم اتخذ فلاناً خلیلاً" (الفرقان ۲۸) ہائے میری شامت کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔

آیئے اس آیت کے متعلق مفسرین کرام کے اقوال ملاحظہ کرتے ہیں تا کہ اچھی اور بری صحبت کے نتائج واضح ہوسکیں، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی تفسیر عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں ''یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا، کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی، مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو واقعہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اس پر مقصور کیا جائے، ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے''۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی اس آیت کے تشریحی نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں ''دنیا میں جتنی بھی گمراہیاں آتی ہیں اور شیطان جب آتا ہے تو کسی آشنا اور راز داں ہی کی قالب میں آتا ہے، فقہاء نے اس آیت سے بطور اشارۃ النص نکالا ہے کہ صحبت بد کا ترک واجب ہے، خصوصاً اس کا جو اغوا کرتا رہے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ'' آیت میں تعلیم ہے صحبت اشرار سے بچنے کی اور شریر کی تفسیر یہ ہے کہ جو کوئی ذکر الٰہی سے بعید ہونے کا سبب بن جائے''۔

تفسیر جونا گڑھی میں ہے''اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نافرمانوں سے دوستی اور وابستگی نہیں رکھنی چاہئے، اس لئے کہ صحبت صالح سے انسان اچھا اور صحبت طالح سے انسان برا بنتا ہے، اکثر لوگوں کی گمراہی کی وجہ سے غلط دوستوں کا انتخاب اور صحبت بد کا اختیار کرنا ہی ہے، اسی لیے حدیث میں بھی صالحین کی صحبت کی تاکید اور بری صحبت سے اجتناب کو ایک بہترین مثال سے واضح کیا گیا ہے۔(تفسیر جونا گڑھی صفحہ ۱۰۱)

اور وہ حدیث شریف یہ ہے جس کو امام مسلم نے کتاب الصلۃ والبر میں نقل فرمایا ہے "عن ابی موسی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال انما مثل جلیس الصالح و جلیس السوء کحامل المسك و نافخ الکیر، فحامل المسك اما ان یحذیك و اما أن تبتاع منه و اماان تجدمنه ریحا طیباً و نافخ الکیر اماان یحرق ثیابك و اما ان تجدریحاً خبیثۃً" ابوموسی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک مصاحب اور بدمصاحب کی مثال ایسی ہے جیسے مشک بیچنے والے اور بھٹی پھونکنے والے کی، مشک بیچنے والا یا تو تجھے یونہی دے گا (تحفہ کے طور پر سونگھنے کے لیے) یا تو اسے خرید لے گا یا تو اس سے اچھی خوشبو پائے گا اور بھٹی پھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلادے گا یا بدبو تجھ کو سونگھنی پڑے گی، یعنی عطار کے پاس جو کوئی بیٹھے گا تو فائدہ سے خالی نہیں ہے اگر عطر نہ خریدے تب بھی اسے خوشبو ملے گی، یہی مثال نیک شخص کی ہے کہ عالم دین، درویش، یا حکیم کی صحبت میں کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہوتا ہے اور بھٹی پھونکنے والا برے شخص کی طرح ہے، بد کی صحبت میں نقصان ہی نقصان ہوتا ہے اگر بدی نہ سیکھے تب بھی اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اور ادنی درجہ یہ ہے کہ نیکی اور عبادت کی لذت کم ہوجاتی ہے۔

یہ صحبت صالح کا ہی نتیجہ تھا کہ ایک کتا بھی ایک اہل ایمان وعزیمت جماعت کی صحبت میں رہ کر قیامت تک اصحاب کہف کے ساتھ جڑ گیا اور قرآن مجید کا جز ولاینفک بن گیا، مفسرین کرام نے اس کی بہت ہی دلنشیں تشریح کرتے ہوئے صحبت صالح کی اہمیت کو واضح فرمایا ہے۔

قرآن مجید نے ان کے سونے کی کیفیت کو بیان کیا پھر ان کے کتے کی حالت کو اس طرح بیان کیا "و کلبھم باسط ذراعیه بالوصید" اور ان کا کتا دہلیز پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا، حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ تفسیر ماجدی میں اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''کتا وہ جانور ہے جو فقہی حیثیت سے نجس ہونے کے باوجود اپنی وفاداری، آقا پرستی، حفاظت کرنے اور پہرہ دینے کے لیے مشہور ہے،

ان بزرگوں کے پاس کسی ضرورت سے ہوگا اوران ہی کے ساتھ خود بھی غارنشیں ہوگیا،بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جنت میں دو جانور ہونگے ایک بلعم باعور کا گدھا اور دوسرا اصحاب کہف کا کتا،اس روایت کے صحیح اور غیر صحیح ہونے سے قطع نظر صوفیہ محققین نے کہا ہے کہ صحبت عجب اثر رکھتی ہے اور شیران خدا کی برکتیں سگ دنیا کو بھی بہ شرط صحبت ورفاقت شامل ہوجاتی ہیں اور بعض سالکین نے یہ نکتہ لکھا ہے کہ صالحین کی مجالست وقرب ہی بہت غنیمت ہے، گو مجالست نہ بھی ہو، اور قرطبی نے کئی سطروں میں اس مضمون کو ادا کیا ہے کہ جب کتے کو یہ مرتبہ صحبت صالحین کی برکت سے مل سکتا ہے اور قرآن مجید میں اس کا تذکرہ آسکتا ہے تو پھر کلمہ گو مومنین، صحبت اولیاء وصالحین کی برکت سے کون سا درجہ نہیں حاصل کرسکتے۔(تفسیر ماجدی صفحہ ۱۰۳)

علامہ اقبال نے بھی نئی نسل اور نوجوانان اسلام کو بری صحبت سے دور رہنے کی نصیحت کی ہے اور انہیں اپنے مقام ومرتبہ کو پہچاننے کی تلقین کی ہے تاکہ بری صحبت سے ان کے اندر بھی بری خصلت اور پستی اور منفی افکار وخیالات پیدا نہ ہوجائیں۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی

خراب کرگئی شاہین بچے کو صحبت زاغ

اور انہیں شاہین کی طرح بلند پروازی سے متصف دیکھنا چاہتے ہیں اور ذہنی پستی کے شکار لوگوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے ہیں کیونکہ دونوں کا نصب العین جدا جدا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

انہوں نے بھی نوجوانوں کو غلط ماحول اوراس میں زندگی گزارنے سے منع فرمایا ہے تاکہ وہ اس میں پرورش پاکر فریب خوردہ نہ بن جائیں اور اپنے اصل مقام ومرتبہ سے ناآشنا رہیں اور حقیر مقام پر ہی قناعت کرنے لگیں۔

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ رسم شاہبازی

آج ہر طرف برائیاں ہی برائیاں ہیں، فحاشی وعریانیت کا دور دورہ ہے، بے حیائی اور فحش کلامی ایک عام بات ہوگئی ہے، اچھے اچھے دیندار خاندان بھی اس کی زد میں ہیں، ایک صالح معاشرہ کا تصور نہیں ہے، جس میں نوجوانوں کو صالحیت کا درس دیا جائے انہیں صلاح وتقوی، نیکی وبھلائی، گناہوں سے نفرت اور اچھائیوں سے محبت وانس کا خوگر بنایا جائے، اس ماحول کے پس منظر میں علامہ اقبال حضور خداوندی میں نوجوانوں کی صحیح پرورش وپرداخت کے لیے اس طرح دعاگو ہیں

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی

خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

اور بے داغ جوانی کی تعریف وتوصیف میں یوں نغمہ سنج ہیں۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا

شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری

یہ حقیقت مسلم اور تجربے سے ثابت ہے انسان کی اصلاح وتربیت میں صحبت صالح کا بہت عمل دخل ہوتا ہے، بزرگوں اور نیکوکاروں، صالحین امت کی صحبتوں اور مجلسوں میں اٹھنے، بیٹھنے، ان کے فیوض وبرکات سے فیضاب ہونے کی وجہ سے زندگی سنورتی ہے، اس میں ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے۔ ؎

چراغ جلتے نہیں جلائے جاتے ہیں

کے مصداق ایک روشنی ملتی ہے اس میں اصول پسندی آتی ہے جینے کا ایک نیا ڈھنگ اور طریقہ آتا ہے، اچھائی سے محبت پیدا ہوتی ہے، برائیوں، فحش کلامیوں اور عملی کوتاہیوں سے نفرت دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے، تاریخ کے صفحات ایسے لوگوں کے واقعات سے لبریز ہیں جن کی ابتدائی زندگی اگر چہ اچھی نہیں تھی، وہ عہد شباب میں برائی اور بدکاری میں ملوث تھے، اسی میں مست تھے، نماز وروزہ، تقوی طہارت، اچھائی وبھلائی کے کاموں اور باتوں سے وہ کوسوں دور تھے، لیکن اللہ کی توفیق شامل حال ہوئی، انہیں بزرگوں، نیک لوگوں، بااخلاق وباکردار لوگوں کی صحبت میسر ہوئی تو ان کی زندگی یکسر بدل گئی،

وہ زندگی جو بدکاری، فحاشی، شراب وکباب میں مبتلا تھی ، جوزندگی گناہوں میں ڈوبی ہوئی تھی وہ راہ راست پرآ گئی، دل کی دنیا بدل گئی، احساس عمل پیدا ہوا، احساس ندامت کے آنسوؤں سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں اورانہوں نے اپنے برے کاموں اور برے اعمال سے تائب ہوکر اپنی زندگی کے چراغ کوروشن کیا اور بعد کے ادوار میں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ یہی زندگی دوسروں کے لیے سامان عبرت بن گئی، اتباع کے لائق بن گئی، انہیں ہدایت کے آفتاب و ماہتاب کے القاب سے ملقب کیا گیا، ان کی اتباع وپیروی میں دنیا وآخرت کی کامیابی کی خوشخبری سنائی گئی اوراس وقت سے آج تک لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر کامیاب ہورہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نیک صحبت اختیار کرنے کی ضرورپرزوردیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وہ شخص بڑاقسمت وراورخوش نصیب ہے جس کوکوئی ایسا ربانی عالم اور طبیب حاذق میسرآجائے، جو اس کو متنبہ کرے اوران بعض اخلاقی کمزوریوں اور مخفی بیماریوں سے آگاہ کرے اوران سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ تجویز کرے اوراس کوآسان اورممکن العمل بنادے، اس کا نور باطن مستفید ومریض میں سرایت کرے اس کی صفات وخصوصیات کا اس پر پرتو پڑے، اس کے محاسبہ نفس اورخوف وخشیت کو دیکھ کر وہ عبرت اور سبق حاصل کرے۔

قدیم زمانے میں صحبت سب سے آسان طریقۂ علاج تھا اور بڑے بڑے ائمہ فن اورعلماء خدا پرست، مخلص وربانی بندوں کی تلاش میں رہتے تھے، خواہ علم میں ان سے کم مرتبہ ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ ان کوان کی مجلس اورصحبت میں وہ سب کچھ ملتا تھا، جو اصلاح حال وتربیت باطنی میں ممدو معاون تھا، نفس اور شیطان سے حفاظت کا ذریعہ ہوتا۔(دستورحیات صفحہ ۱۱۸)

صحبت صالح کے متعلق حضرت مولانا محمد الحسنی کی تحریر بھی چشم کشا اور قابل مطالعہ ہے وہ تحریر فرماتے ہیں''ہم میں سے ہر شخص کے لیے خواہ وہ کسی سطح اور کسی معیار کا ہواچھے رہبروں۔ ﴿بقیہ صفحہ ۴۰ رپر﴾

خوشخبری

مقـــالات عزیـــزی

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کے وہ مقالات اورمضامین ہیں، جوانہوں نے گذشتہ بارہ تیرہ سال کے درمیان لکھے ہیں، وہ کتابی شکل میں''مقالات عزیزی'' کے نام سے مرکز احیاء الفکرالاسلامی سے شائع ہورہے ہیں۔

یہ مقالات تین ابواب پر مشتمل ہیں: پہلا باب شخصیات، دوسرا باب نگارشات، تیسرا باب شذرات پرمشتمل ہے، جس میں کل ۳۲ رمضامین ہیں: پہلے باب میں عمربن عبدالعزیزؒ، شاہ عبدالقادر جیلانیؒ، شاہ ولی اللہ حضرت تھانویؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا حکیم عبدالعلیؒ، قاری محمد طیبؒ، مفتی محمود حسن گنگوہی، مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ ہیں۔

دوسرے باب میں: نقوس اسلام فکراسلامی کا نقیب، ربیع الاول میں طلوع ہونے والاآفتاب، مسلمانوں کی عظمت رفتہ بحال ہوسکتی ہے، اہانت رسول کی سزا، دنیا کا ہر بہیمانہ عمل مسلمانوں کی جانب منسوب، رمضان المبارک کی آمد پر چندہ کے اصول، حج پرجانے والوں کی خدمت میں، مدرسہ بورڈ امیدیں اورمشورے، پڑھے لکھوں کی کچھ غلط فہمیاں، نقوش اسلام کی عمر کا ایک سال مکمل وغیرہ۔

تیسرے باب میں: اسلام اورترقی، خطیب اور خطابت، صحافی اور صحافت، پردہ، علم کی اہمیت، فقہ حنفی کے مراجع اوران کی خصوصیات، ندوۃ العلماء مثالی تحریک، جیسے مضامین شامل ہیں۔

کتاب نگارشات، شذرات اورشخصیات کا بہترین گلدستہ ہے، جس میں ہر ذوق کے لیے مضامین ہیں، کتاب تقریباً پونے تین سو صفحات پر مشتمل ہے، جس کی قیمت سوروپے ہیں۔

واضح رہے کہ پیشگی قیمت بھیجنے والے کوکل تیس روپے میں یہ کتاب بھیجی جائے گی، ڈاک خرچ ناشر کے ذمہ ہوں گے، اوریہ اسکیم صرف اگست کے مہینے کے اخیر تک رہے گی۔

امید ہے کہ زیادہ سے زیادہ قارئین اس سے استفادہ کریں گے۔

اصلاح معاشرہ

یہ رجب کا مہینہ ہے!!!

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد

گردشِ زمانہ کی چکی کا عمل اس برق رفتاری سے جاری ہے جس کا احساس بہت کم ہوتا ہے، ابھی کچھ ایام پہلے رجب کا مہینہ ہم سے جدا ہوا تھا کہ پھر ہمارے سروں پر رجب کا مبارک مہینہ سایہ فگن ہوگیا، ماہ وسال اور لیل ونہار کی آمدرفت کچھ اس طرح ہورہی ہیں، کہ صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے اور عمر یونہی تمام ہوتی ہے، بہر حال اس کے مابین رونما ہونے والے واقعات ہی اس مہینہ کے فوائد وبرکات اور اثرات کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ مہینہ کس فضیلت واہمیت کا حامل ہے۔

چنانچہ اس مہینہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم رجب کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے یہ دعا مانگتے تھے "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ" اے اللہ! برکت دے ہمارے لیے رجب میں اور شعبان میں اور پہنچا ہم کو رمضان تک''۔(بیہقی)

رجب کا مہینہ ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جن کو اللہ تعالی نے حرمت والے مہینے قرار دیا ہے، مگر بدقسمتی سے لوگ اس کی حرمت وفضیلت کو نظرانداز کرکے اس مہینہ میں کچھ اس طرح کی رسمیں بجالاتے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں؛ کیونکہ بعض لوگ اس مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو روزہ اس اہتمام سے رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے رمضان کے روزے کی طرح اس کو بھی فرض کیا ہے، اور بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اس دن کا روزہ رکھنے سے ہزار روزوں کا ثواب ملتا ہے، یہی نہیں بلکہ ستائیسویں شب کو چراغاں اور روشنیاں ایک بڑے پیمانے پر کی جاتی ہیں، جہاں قمقموں کی چمک اور لائٹوں کی ڈکوریشن سے پورا محلّہ اور شہر جگمگا اٹھتا ہے اور ایک گہما گہمی کا پرفریب منظر ہوتا ہے۔

خاص طور سے اس مہینہ میں دو چیزیں موضوع بحث ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اس مہینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج نصیب ہوئی، دوسرے یہ کہ اس مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو روزہ رکھا جاتا ہے، یہ کہاں تک درست اور صحیح ہے، اس کی وضاحت کردینا ضروری ہے، کیونکہ بعض لوگ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو جو کچھ کرتے ہیں وہ کارِثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور اس کو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، رہا رجب کی فضیلت واہمیت کا مسئلہ تو اس سے کسی کو انکار نہیں، مگر اس مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو جلسے جلوس کرنا، موم بتیاں جلانا اور چراغاں کرنا یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے، یہ سب خرافات اور بدعات ہیں۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ اس مہینہ میں اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج نصیب ہوئی ہے تو ٹھیک ہے، ہم بھی مانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہینہ میں معراج ہوئی ہے، مگر اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس تاریخ کو یا اس دن کو خوشیاں منائیں، جلسے وجلسوس اور چراغاں کریں، بلکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہینہ میں معراج نصیب ہوئی ہے، تو ہمیں بھی چاہئے کہ معراج کی حقیقت اور اہمیت سمجھ کر عبادت وریاضت میں مجاہدہ کریں، ویسے تو ایک مومن بندے کو خدا کے فضل وکرم سے روزانہ پانچ مرتبہ معراج نصیب ہوتی ہے؛ کیونکہ مومن کی معراج نماز ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں خدا کے یہاں حضوری نصیب ہوئی تھی، اور امت محمدیہ پر خدائے کریم کی یہ حد سے بڑھی ہوئی مہربانی ہے کہ اس کے ہرفرد کو دن میں کم ازکم پانچ مرتبہ خدا کے دربار میں حاضری کے مواقع دیئے ہیں، پس جو

لوگ واقعہ معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مہینہ میں مان کر اس کی زیادہ عزت وعظمت کرتے ہیں، انہیں تو واجب ہے کہ اس مہینہ میں وہ خود بھی اس کی دولت کے حاصل کرنے کی اور زیادہ کوشش کریں اور نماز کو حضور قلب اور جماعت وطہارت کے ساتھ ادا کرنے میں پوری ہمت ومستعدی سے کام لیں، یہی وہ طریقہ ہے جس سے دنیا میں بھی ان کے قلب کو راحت ومسرت ہوگی اور آخرت میں بھی وہ سرخرو اور کامگار وکامیاب اور فائز المرام ہونگے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس مہینہ کی ستائیسویں تاریخ کو روزہ بڑے اہتمام کے ساتھ رکھا جاتا ہے، اور اس دن کا افطار بھی بڑے انتظام واہتمام سے کیا جاتا ہے، جہاں فضول خرچی کی کوئی حد نہیں ہوتی، جب کہ اس دن کا روزہ کسی ایسی قوی حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ جو روایات اس کے بارے میں ہیں بھی تو وہ موضوع اور ضعیف ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ اس دن کے روزہ کے متعلق سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے؛ کیونکہ اگر اس دن کا روزہ سنت سے ثابت ہوتا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس دن کے روزے سے منع نہ فرماتے، جیسا کہ حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت خرشہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے کہ وہ رجب کے روزہ داروں کو پکڑ پکڑ کر کھانا کھلاتے تھے اور فرماتے تھے یہ رجب، یہ رجب کیا چیز ہے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس دن کا روزہ سنت کے طور پر رکھا جاتا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ زبردستی روزے داروں سے روزہ نہ کھلواتے بلکہ رکھنے کی تاکید فرماتے اور خود بھی اس عمل پر پیرا ہوتے، اس لیے ضروری ہے کہ اس دن کا روزہ نہ رکھا جائے، ہاں اگر کوئی شخص سنت سمجھے بغیر ویسے ہی روزہ رکھ لے اس لحاظ کہ اگر رجب کی وجہ سے ثواب نہ ملا تو نفل روزہ کا ثواب مل جائے گا، تو اس نیت سے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ان دونوں چیزوں سے حقیقت واضح طور پر کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ دونوں چیزیں کسی ایسی قوی حدیث سے ثابت نہیں ہیں، جس کی وجہ سے ہم اس تاریخ کو خوشیاں منائیں اور گھروں کو قمقموں اور روشنیوں سے جگمگائیں اور اجالا کریں، بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا ثابت ہے کہ رجب کا مہینہ شروع ہونے سے پہلے آپ دعا فرماتے تھے کہ ''اے اللہ برکت دے رجب میں اور شعبان میں اور پہنچا ہم کو رمضان المبارک جیسے مبارک مہینہ تک''۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم بھی رجب کے مہینہ میں دعاؤں کا اہتمام کریں اور اللہ تعالی کی ذات سے امید رکھیں کہ تمام مسلمان مرد وعورت کو رمضان المبارک جیسے مقدس مہینہ تک بعافیت پہنچائے اور اس کی رحمتوں اور برکتوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع نصیب فرمائے۔

//////☆☆☆//////

﴿بقیہ صفحہ ۳۸ رکا﴾ مشیروں اور ہمسفروں کا انتخاب ایک ایسا نازک کام ہے جس میں ذرا سی چوک ساری زندگی کو غلط سمت پر ڈال سکتی ہے یا اس میں رکاوٹیں پیدا کرسکتی ہے، اور انسان کو مختلف چیزوں میں الجھا سکتی ہے''۔ (جادۂ فکر وعمل صفحہ ۲۸)

وہ لوگ قابل مبارک باد ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کو اصول وضوابط کے پابند بنانے کی کوشش کی، جنھوں نے بزرگوں اور صلحاء امت کی صحبت حاصل کی، جس کے نتیجہ میں لوگ ان کے فیوض وبرکات سے مستفید ہورہے ہیں، ان کی اچھی باتوں، نصیحتوں پر عمل کر کے کامیاب ہورہے ہیں، اور اپنی زندگی کو ان کے نقش قدم پر ڈھالنے کی کوشش کررہے ہیں، اللہ تعالی ہم سب کو نیک صحبت کی توفیق عطا فرمائے اور بری صحبت سے بچائے۔

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

مجھے نیک لوگوں سے محبت ہے گو کہ میں ان میں شامل نہیں ہوں، امید ہے کہ (ان سے تعلق کی برکت سے) اللہ تعالی مجھے بھی نیکی سے سرفراز فرمادیں گے۔ انشاءاللہ تعالی

//////☆☆☆//////

تجزیہ

معراج جسمانی و حقیقی

حضرت مولانا محمد عمر قاسمی، مجاہد پوری

"سُبْحٰنَ الَّذِیْ اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بٰرکنا حولہ لنیریہ من آیتنا انہ ھوالسمیع البصیر". (سورۃ بنی اسرائیل پارہ ۱۵/ رکوع ۱)

پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے، تاکہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے، وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

یعنی صرف ایک رات محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا، اس سفر کی غرض کیا تھی "لیریہ من آیتنا" میں اس کی طرف اشارہ فرمایا، حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا بیت المقدس سے آگے کہیں اور لے جاکر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب وغریب نمونے دکھلانے منظور تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جتنے بھی نبی و رسول مبعوث فرمائے ان کو نشان صداقت کے طور پر ایسی علامت عطا فرمائیں جو دوسروں کے لیے باعث حیرت ہوں اور ان کا مقابلہ کرنا بس سے باہر ہو، پیغمبروں کی ان ہی علامت صداقت کو شرعی اصطلاح میں معجزات سے تعبیر کیا جاتا ہے، سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام پیغمبروں سے بڑھ کر معجزات عطا فرمائے گئے، انبیاء سابقین کے تمام معجزوں کا تعلق زمین سے تھا یعنی ان کا ظہور صرف زمین پر ہوا لیکن خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ظہور زمین پر بھی ہوا، اور کواکب وسموات کی بلندیوں پر بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اور امتیازی معجزات بہت ہیں، جن میں سے بعض کا وجود دائمی ہے، جیسے قرآن کریم اور دین اسلام کا بقاو تحفظ قیام قیامت تک اور بعض معجزات اپنے وجود کے اعتبار سے وقتی ہیں اور بقائے شہرت کے اعتبار سے دائمی جیسے معجزہ شق القمر، معجزہ اسراء ومعراج جو آپ کے خصوصی اور مشہور ترین معجزات میں سے ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک اکیاون برس نو ماہ ہوئی تو معراج کا واقعہ پیش آیا۔

۱۰ نبوی میں خواجہ ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جس کا آپ کو بیحد صدمہ ہوا اسی لیے یہ سال عام الحزن کہلایا، اسی سال آپ شعب ابی طالب سے مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے، ۱۱/ نبوی میں معراج کا واقعہ پیش آیا، مشہور یہی ہے کہ ۲۷/ رجب کی شعبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراء ومعراج کا سفر کیا ہے، اسراء کے معنی شب میں لے جانے کے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بے نظیر شرف وحیرت انگیز واقعہ جس میں خدائے برتر نے اپنے رسول کی مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور وہاں سے ملاء اعلیٰ تک جسد عنصری کے ساتھ اپنی نشانیاں دکھانے کے لیے سیر کرائی، چونکہ شب کے ایک حصہ میں یہ واقعہ پیش آیا، اس لیے اسراء کہلاتا ہے، جب کہ معراج عروج سے نکلا ہے جس کے معنی چڑھنے اور بلند ہونے کے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ اس شب میں اعلیٰ کے تنازل ارتقاطے فرماتے ہوئے ساتوں آسمان سدرۃ المنتہیٰ اور اس سے بلند ہوکر آیات اللہ کا مشاہدہ فرمایا، ان واقعات کے ذکر میں زبان وحی ترجمان نے "عرج بی" کا جملہ استعمال کیا فرمایا ہے، اس لیے اس پرعظمت واقعہ کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے، قرآن پاک میں

اسراء یامعراج کا واقعہ سورہ اسرائیل اور سورہ نجم میں مذکور ہے، سورہ بنی اسرائیل میں مکہ سے بیت المقدس تک سیر کا تذکرہ ہے، سورہ نجم میں ملاء اعلیٰ کی سیر وعروج کا ذکر ہے، اس معجزہ کے بارے میں تمام صحابہ وتابعین اور علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اسراء ومعراج یعنی اس معجزے کے دونوں حصوں کا وقوع ایک مرتبہ جسمانی طور پر بحالت بیداری ہوا ہے، جس پر اس واقعہ کی تفصیلات شاہد ہیں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو جب کفار قریش کے سامنے بیت المقدس تک کے سفر اسراء کو بیان فرمایا تو کفار نے نہ صرف اس پر تعجب کیا بلکہ آپ کا مذاق اڑایا اور بیت المقدس اور اس کے راستہ کی علامتیں اور نشانیاں دریافت کیں، اگر یہ محض ایک خواب ہوتا تو اس طرح کا خواب دیکھنا نہ کوئی معجزہ ہے اور نہ رسولوں اور پیغمبروں کی یہ کوئی خصوصیت ہے، ایک عام مسلمان بلکہ ایک کافر بھی دور دراز مقامات میں جانے کا خواب دیکھ سکتا ہے نہ اس طرح کا خواب دیکھنے کی ایسی اہمیت تھی کہ آپ کفار کے مجمع میں جا کر اس کو امتیازی شئی کے طور پر بیان فرماتے اور نہ کفار ہی اس پر تعجب کرتے آخر آپ کا مذاق اڑانے کی کوئی وجہ ہوسکتی تھی، نہ بیت المقدس کی نشانیاں دریافت کرنا کوئی معقولیت تھی، اس معجزہ اسراء ومعراج کے علاوہ بھی آپ کو روحانی اور مثالی طور پر معراج ہوئی ہے، اور ایک دو صحابہ سے جو مروی ہے کہ انہوں نے معراج کو روحانی کہا ہے اس سے مراد یہ معجزانہ معراج نہیں بلکہ دوسری مقامی اور روحانی معراج مراد ہے۔

متعدد احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس معجزے کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے مکان میں آرام فرما رہے تھے آپ پوری طرح سوئے ہوئے نہیں تھے، نیم خوابی کی حالت میں دفعتہً آپ نے دیکھا کہ مکان کی چھت کھلی اور اس میں سے حضرت جبرئیل آمین اترے اور ان کے ساتھ کچھ اور فرشتے بھی تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اچھی طرح بیدار کیا اور اپنے ہمراہ مسجد حرام لے گئے، وہاں جا کر آپ نے حطیم میں آرام فرمایا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام نے آپ کو بیدار کیا اور چاہ زمزم کے قریب لے گئے وہاں آپ کے سینہ کا اپریشن کیا اور شق صدر کر کے قلب اطہر نکالا اور آب زمزم سے دھویا اور اس کو ایمان وایقان اور حکمت ومعرفت سے پر کر کے سینہ میں رکھ دیا اور سینہ کو درست کر دیا گیا، اس کے بعد حرم کے دروازے پر لایا گیا اور وہاں جبرئیل آمین نے میری سواری کے لیے خچر سے کچھ چھوٹا جانور براق (جنت کی نہایت تیز رفتار سواری) پیش کیا، جو سفید رنگ کا تھا، جب میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس کے لیے روانہ ہوا تو اس کی سبک رفتاری کا یہ عالم تھا کہ حد نگاہ اور حد رفتار یکساں نظر آتی تھی، راستے میں ایک جگہ آپ کا گذر ہوا جہاں کثرت سے کھجور کے درخت تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا آپ یہاں اتر کر نماز پڑھیے وہاں آپ نے نفل نماز پڑھی، جبرئیل امین نے دریافت کیا، کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کس جگہ نماز پڑھی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا آپ نے یثرب میں نماز پڑھی ہے جہاں آپ ہجرت کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے روانہ ہوئے تو راستہ میں وادئ سینا پر گذر رہا جبرئیل علیہ السلام نے وہاں بھی اسی طرح نماز پڑھوائی اور بتایا یہ وادی سینا ہے، اور آپ نے شجر موسیٰ علیہ السلام کے قریب نماز پڑھی ہے، جہاں حق تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا، یہاں سے براق پر سوار ہو کر آپ چلے تو راستہ میں شہر مدین آیا جو حضرت شعیب علیہ السلام کا وطن تھا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی نماز پڑھی اور روانہ ہوئے، پھر راستہ میں ایک مقام آیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وہاں بھی نماز پڑھنے کو کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ بھی نفل نماز ادا کی، بعد میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا یہ بیت اللحم ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے۔

حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ براق پر سوار ہو کر جا رہے تھے

راستہ میں ایک بوڑھی عورت کے پاس سے آپ کا گذر ہوا اس نے آپ کو آواز دی جبرئیل علیہ السلام جو آپ کے ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا آپ چلئے! اس کی طرف التفات نہ کیجئے، پھر آگے چلے تو ایک بوڑھا مرد نظر آیا اس نے بھی آواز دی جبرئیل امین نے عرض کیا کہ آپ چلتے رہئے اس کی طرف توجہ نہ کیجئے، پھر آگے چلے تو آپ کو چند حضرات ملے جنہوں نے آپ کو سلام کیا، حضرت جبرئیل امین نے عرض کیا ان کے سلام کا جواب دیجئے، اس کے بعد جبرئیل امین نے بتایا کہ وہ بوڑھی عورت جو راستے میں ایک طرف کھڑی تھی اور آپ کو آواز دے رہی تھی وہ دنیا تھی، دنیا کی اب اتنی ہی عمر باقی ہے اور وہ بوڑھا مرد جس نے آپ کو بعد میں آواز دی تھی وہ شیطان تھا ان دونوں کا مقصد آپ کو اپنی طرف مائل کرنا تھا اور وہ چند حضرات کی ایک جماعت جو آخر میں ملی تھی جنھوں نے آپ کو سلام کیا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے راستہ میں آپ کا گذر ایک قوم پر بھی ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور ناخونوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ اور کھرچ رہے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلانے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو آدمیوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت کرتے ہیں اور ان کی آبروریزی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نہر میں تیر رہا ہے، اور پتھروں کا لقمہ بنا بنا کر چبا رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ جواب دیا یہ سود خور ہیں، کچھ لوگوں کے پاس سے آپ کا گذر ہوا جو اس طرح کاشت کر رہے ہیں کہ ایک دن میں تخم ریزی بھی کرتے ہیں اس دن میں کھیتی بھی کاٹ لیتے ہیں اور کاٹنے کے بعد پھر ویسے ہی سرسبز وشاداب ہو کر لہلہانے لگتی ہے، جیسی پہلے تھی آپ نے جبرئیل امین نے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، ان کی ایک نیکی اسی طرح سات سو گنا سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے، اور جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں حق تعالی کا اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے، پھر آپ کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے اور کچل جانے کے بعد پھر ویسے ہی ہو جاتے تھے، جیسے پہلے تھے، یہی سلسلہ جاری تھا جو ختم نہیں ہوتا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو جبرئیل امین نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نمازوں میں کاہلی کرتے تھے، اثنائے راہ میں آپ نے ایک قوم کو دیکھا کہ جن کی زبانیں اور ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے اور کٹ جانے کے بعد پھر صحیح وسالم ہو جاتے ہیں اور پھر کاٹے جاتے ہیں، یہ سلسلہ برابر جاری رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تو جبرئیل امین نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ واعظ وخطیب اور مقرر ہیں جو دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے اس سفر اسراء کے یہ واقعات ہیں جن کا تعلق عالم ثانی سے ہے، اور امت کے لیے سبق آموز اور درس عبرت ہیں۔

غرضیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار براق پر سوار ہو کر بیت المقدس پہنچے براق اس حلقہ میں باندھا جس میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی سواری کو باندھا کرتے تھے، مسجد اقصی میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، حق تعالی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز میں استقبال کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو جمع فرمایا تھا، کچھ وقفہ کے بعد اذان دی گئی اس کے بعد صفیں بنا کر تکبیر کہی گئی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے لیے آگے بڑھایا آپ نے امام بن کر سب کو نماز پڑھائی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے، تو جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا آپ کو علم ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جن کو آپ نے نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم نہیں، جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا جتنے نبی حق تعالی نے مبعوث فرمائے ہیں ان سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس میں آپ کے تشریف لانے کے بعد آسمان سے فرشتے بھی

نازل ہوئے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ ملائکہ نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کی، بیت المقدس میں تمام انبیاء کرام اور ملائکہ کا آپ کو امام بنانا آپ کے سید الاولین والآخرین ہونے کی طرف اشارہ تھا، اس کے بعد حضرت جبرئیل امین اور دوسرے ملائکہ کی معیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے سفر کا آغاز ہوا، اور سموات کی طرف آپ نے عروج فرمایا آسمان دنیا پر پہنچے تو وہاں کے دربان فرشتوں سے دریافت کرنے کے بعد دروازہ کھولا اندر داخل ہوئے تو ایک نہایت بزرگ شخص کو آپ نے دیکھا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تعارف کرایا کہ یہ آدم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے، آپ نے سلام کیا، حضرت آدم علیہ السلام نے جواب دیا اور مرحبا کہا اور دعائے خیر دی، آپ نے دیکھا کچھ صورتیں حضرت آدم علیہ السلام کی داہنی طرف ہیں اور کچھ بائیں جانب، جب حضرت آدم علیہ السلام دائیں جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، آپ کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل امین نے بتایا کہ دائیں جانب ان کی نیک اولاد اور بائیں جانب بری اولاد کی صورتیں ہیں، پھر آپ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اسی طرح وہاں بھی دربان فرشتوں نے استقبال کیا، اندر تشریف لے گئے تو حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہا السلام سے آپ کی ملاقات کرائی گئی انہوں نے دعائیں دیں، تیسرے آسمان پر اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام سے تعارف اور سلام وکلام ہوا، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات کرائی گئی، ان سب نے آپ کا پرجوش استقبال کیا، اسی شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت ودوزخ کی سیر کی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (معراج کی رات کو) میں جنت میں گزر رہا تھا کہ ایسی نہر سامنے آئی جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے قبے تھے، فرشتہ (جو میرے ساتھ تھا اس) سے میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ کوثر ہے جو اللہ تعالی نے آپ کو عنایت فرمائی ہے، اس کے بعد فرشتہ نے اس کی مٹی میں اپنا ہاتھ مار کر مشک نکالا پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہی بلند کیا گیا میں اس کے پاس بڑا نور دیکھا، سدرۃ بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور منتہی کے معنی ہیں انتہا کی جگہ، حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ ایک درخت ہے بیری کا، ساتویں آسمان میں عالم بالا سے جو احکام وارزاق وغیرہ آتے ہیں وہ اول سدرۃ المنتہی تک پہنچتے ہیں پھر وہاں سے فرشتے زمین پر لاتے ہیں، اسی طرح جو اعمال یہاں سے صعود کرتے ہیں وہ بھی سدرۃ المنتہی تک پہنچتے ہیں، پھر وہاں سے اٹھائے جاتے ہیں، اس کے بعد قرب خداوندی کے اس بلند ترین مقام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، جہاں اللہ تعالی نے آپ سے کلام فرمایا اور آپ کو خاص وحی سے نوازا، اس وحی میں حق تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف اور خصوصیات بیان فرمائیں جو آپ کے سوا کسی اور مخلوق کو عطا نہیں کی گئیں، اسی موقع پر آپ کو دن رات میں پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم ہوا اور آپ بارگاہ الہی سے یہ عطیہ امت کے پاس لائے اس لحاظ سے یہ شب انتہائی افضل ومبارک شب ہوئی لیکن یہ بات سمجھنے کی ہے کہ یہ افضلیت وشرف صرف اسی شب کو حاصل ہوا، جس میں یہ واقعہ معراج پیش آیا تھا، نہ کہ ہر سال کے رجب کی ستائیسویں شب کو افضل سمجھنا صحیح نہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی بھی صحیح یا حسن یا اقل درجہ کی ضعیف حدیث میں رجب کی ستائیسویں شب کی فضیلت یا اس کے متعلق کوئی خاص عمل نہیں آیا، نہ ہی اسلاف سے اس شب میں کوئی خاص عمل متوارث ہے، اس لیے چاہئے تو یہ کہ اپنی طرف سے اس شب میں کسی بھی قسم کا کوئی خاص عمل نہ اپنایا جائے؛ لیکن دیکھنے میں آرہا ہے کہ بہت سے لوگ اس شب کی فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے خاص قسم کے عمل کرتے ہیں۔

رجبی کا بیان:

رجب کی ستائیسویں رات کو معراج شریف کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اور دھوم دھام سے جلسے ہوتے ہیں جن مین فضول خرچی اور بیجا زینت

اورضرورت سے کہیں بڑھ کرروشنی وغیرہ ہوتی ہے،شریعت میں اس ہیئت متعارفہ کی کوئی اصل نہیں بلکہ فضول خرچی وغیرہ کی صاف طور پر ممانعت اور سخت مذمت وارد ہوتی ہے،اوراگرکوئی مجمع ان خرافات سے پوراپرہیز رکھ کرکیا جائے تب بھی کم ازکم دن کی تعین کا تو گناہ ہے ہی کیونکہ اس تذکرے کیواسطے شریعت نے کوئی دن معین نہیں فرمایا۔

دوسرا قاعدہ ہے کہ اگرکسی غیرضروری فعل سے دوسرے لوگوں کے عقائد بگڑنے کا اندیشہ ہوتو اس فعل کو بالکل ترک کردیا جائیگا اس واسطے ترک منکرات کے باوجود بھی ایسی مجلسوں کی اجازت نہیں ہوسکتی،غرض یہ کہ معراج شریف کا ذکرتو باعث ثواب ہے،اوراس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اورمحبت بڑھتی ہے اورواقعہ معراج سے جو احکام معلوم ہوتے ہیں اوراس میں جوحکمتیں ہیں اگران کا بیان بھی کیا جائے تو سونے پر سہاگہ ہوجائے لیکن اس کے واسطے خاص ماہ رجب کی تخصیص کرنا بلکہ ستائیسویں شب کولازم قراردینا حدود شرعیہ سے تجاوز اور بدعت ہے"وکل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار"اوراگر اس میں ریا،تفاخر،اسراف وغیرہ شامل ہوجائیں تو کریلا نیم چڑھا کا مصداق بن جاتا ہے،اللہ تعالی فہم سلیم اوراتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

ہزاری روزے کابیان :

عام لوگ رجب کی ستائیسویں تاریخ کوروزہ رکھنے کا ثواب ایک ہزارروزہ کے برابر سمجھتے ہیں اسی واسطے اسکو ہزاری روزہ کہتے ہیں،مگر یہ فضیلت ثابت نہیں کیونکہ اکثر روایات تواس بارے میں موضوع ہیں اوربعض جوموضوع نہیں وہ بھی بہت ضعیف ہیں،اس لیے اس روزہ کے متعلق سنت ہونے کا اعتقاد نہ رکھا جائے،حضرت عمر فاروق کے زمانہ خلافت میں ایسا ہوا،بعض لوگ ستائیس رجب کوروزہ رکھنے لگے جب آپ کواس کا علم ہوا تو آپ نے ان سے زبردستی روزے کھلوائے،چنانچہ حدیث میں آتا ہے حضرت خرشہ بن جراح فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کودیکھا ہے کہ وہ رجب کے روزہ داروں کو پکڑ کرکھانا کھلاتے تھے،اورفرماتے تھے یہ رجب،یہ رجب کیا چیز ہے؟ سنو!رجب وہ مہینہ ہے جسے ایام جاہلیت میں معظم ماناجاتا تھا؛لیکن اسلام نے آکراس کوترک کردیا۔(رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی)

حضرت عمر کے اس وقت قول وعمل کی موجودگی میں بہتر یہی ہے کہ ستائیسویں رجب کا روزہ نہ رکھا جائے کیونکہ اگراس کی فضیلت ثابت ہوتی یا یہ مسنون ہوتا تو حضرت عمراس سے منع نہ فرماتے بلکہ خود رکھتے اوردوسروں کوترغیب دیتے۔

رجب کی ستائیسویں شب میں چراغاں کرنا :

بہت سے لوگ رجب کی ستائیسویں شب کوچراغاں کرتے ہیں، چنانچہ کچھ تو چھتوں پر موم بتیاں جلاتے ہیں اورکچھ بجلی کی چھوٹی بتیاں روشن کرتے ہیں،اس کام میں جہاں اسراف اورفضول خرچی ہوتی ہے وہیں عقائد بھی خراب ہوتے ہیں،ہمیں چاہئے کہ ہم ایسے تمام کام چھوڑدیں جوشریعت سے ثابت نہیں کیونکہ ایسے کام کرنے سے ثواب ملنا تو بہت دوررہا الٹا گناہ ہوتا ہے۔

غورکیجئے واقعہ معراج مشہور قول کے مطابق نبوت ملنے کے گیارہویں سال میں پیش آیا ہے،اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً بارہ سال حیات رہے ہیں،کیا آپ نے ان بارہ سالوں میں اس شب میں کوئی خاص عمل کیا ہے یا لوگوں کوترغیب دی ہے،احادیث وسیر کی کتابوں پرنظرڈالیئے آپ کومعلوم ہوگا کہ یہ سب کتب اس سلسلہ میں خاموش ہیں،اسی طرح صحابہ کرام کے سوسالہ دور پرنظرڈالئے وہاں بھی اس شب کے متعلق کچھ نظرنہیں آتا،آگے تابعین وتبع تابعین کا دوربھی اس سے خالی نظرآتا ہے،الغرض قصہ مختصر یہ ہے کہ چونکہ اس شب کی بابت احادیث مبارکہ میں نہ کوئی خاص نماز آئی اورنہ روزہ رکھنا اورچراغاں کرنا،اس لیے ہمیں اس شب کی فضیلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے ان امور کی انجام دہی سے گریز کرنا چاہئے اورسلف صالحین کے طریقہ کواپنا چاہئے کہ اسی میں فلاح ونجات ہے۔

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

تبصرے

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: روشن مستقبل کا جوان

تصنیف: ڈاکٹر سیف راشد جابری

ترجمہ: مولانا عبدالحمید اطہر ندوی

صفحات: ۶۴ر

قیمت ۲۴ر روپئے

ناشر: معہد امام حسن البناء شہید بھٹکل، کرناٹک

زیر تبصرہ ''روشن مستقبل کا جوان'' ڈاکٹر سیف راشد جابری کی عربی کتاب ''شباب الغد المشرق'' کا اردو ترجمہ ہے، ڈاکٹر سیف وزارت اوقاف دوبئی کے دارالافتاوالبحوث کے مدیر ہیں، جو نصف درجن کتابوں کے مصنف اور علمی وتحقیقی آدمی ہیں، ان کی اس کتاب میں زندگی کے مختلف مراحل سے متعلق تجربات، ہدایات، اصول اور ضابطے پیش کئے گئے ہیں کہ کس طرح آج کا ایک نوجوان اپنی زندگی کو مفید اور کامگار بنا سکتا ہے اور اپنے لیے اور آئندہ آنے والی نسل کے لیے کیسے تابندہ نقوش چھوڑ سکتا ہے، کتاب کے مندرجات پر اجمالی نظر ڈالی جائے تو کتاب کے عناصر اس طرح سامنے آتے ہیں، عمری مرحلہ، تخلیقی مرحلہ، صفاتی مرحلہ، نعمتوں کا مرحلہ، جوانی میں عقل اور جسمانی نشو ونما، جوانی کی عمر، قرآن وحدیث کی روشنی میں ایمانی سفر، اہم ثقافتی معالم ونشانات، عقل انسانی کی تعمیر وترقی، فکر اور عقیدہ کی حامل امت کی طرف نسبت، اخلاق، عمومی ترقی، خلاصہ کلام، ان مندرجات سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، اسی لیے اس کو ہمارے رفیق درس مولانا عبدالحمید اطہر ندوی نے عربی سے اردو کا جامہ پہنایا اور بہترین سلیس ترجمہ کیا، تبصرہ نگار سمجھتا ہے کہ اگر ہر نوجوان اس کتاب کو پڑھ لے تو وہ اپنی زندگی کے لیے بہت کچھ محفوظ کر سکتا ہے اور ایک مثالی زندگی گزار سکتا ہے، اس لیے باشوق قارئین اور امت کے نوجوان طبقہ سے امید ہی نہیں بلکہ اپیل کی جاتی ہے کہ اس کتاب کو خرید کر ضرور پڑھیں اور اپنے قریبی دوستوں کو ہدیہ میں پیش کریں اور جہاں تک اس کو پہنچا سکتے ہوں اس کی ہر طرح کوشش کریں۔

نام کتاب: مجلّہ ''الاخبار'' ششماہی

مدیر: مولانا محمد ناصر اکرمی

صفحات: ۴۰ر

شائع کردہ: معہد امام حسن البناء شہید بھٹکل، کرناٹک

زیر تبصرہ مجلّہ ''الاخبار'' ششماہی ہے جو بھٹکل سے حضرت امام حسن البناء شہید کے نام سے موسوم ادارے سے نکالا جا رہا ہے، ہمارے سامنے اس کا دوسرا شمارہ ہے، جس میں اکثر مضامین امام حسن البناء سے متعلق ہیں، دوسرے دعوتی، فکری، اصلاحی اور معلوماتی مضامین بھی شامل ہیں، اس کے مضامین کی تفصیل اس طرح ہے: ۱-اسوۂ کامل ۲-افتتاحیہ ۳-حسن البنا شہید ایک ہمہ جہت شخصیت ۴-سامراجی مقاصد کے لیے تعلیم، عیسائی مشنری اور انسانی خدمات کا استعمال ۵-داعی ومربی عمر تلمسانی ۶-سید قطب شہیدؒ ۷-سیرت حضرت عائشہ اور ان کا علمی مقام ۸-سیف الاسلام البنا سے ایک انٹرویو ۹-سوانح امام حسن البنا الشہیدؒ ۱۰-جدید تکنالوجی سے مسلمان مرعوب نہیں ہوسکتا ۱۱-حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک ۱۲-معاشرے کا اخلاقی بگاڑ، اسباب اور تدارک ۱۳-امام حسن البنا شہید اور اتحاد ملت ۱۴-اکابرین امت کے خطوط ۱۵-علماء ودانشوران ملت کے تأثرات ۱۶-مجلۃ الاخبار کی ڈاک اور اخیر میں ایک انگریزی مضمون امام بناء سے متعلق شامل ہے۔

مضامین کی تفصیلات سے واضح ہوجاتا ہے کہ یہ ایک اچھا اور معیاری رسالہ ہے، مدیر محترم اچھا فکری وتعمیری ذوق رکھتے ہیں، اداریہ میں مولانا نے جو درد انگیز رونگٹے کھڑے کردینے والے بلکہ دل کو دہلا دینوالے دینی غیرت وحمیت کا حامل لوگوں کے واقعات بیان کئے ہیں، ان سے خود مدیر محترم کے جذبہ دروں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اس لیے دینی جذبہ رکھنے والوں اور مسلمانوں سے امید کی جاتی ہے کہ وہ اس مجلّہ کو ضرور منگائیں گے اور اس کو پڑھ کر اپنے دل کی انگیٹھی کو گرمائیں گے اور امت کے لیے کچھ کر گزرنے کا شوق وجذبہ پیدا کریں گے۔

مراسلات

Markazu Ihyail Fikril Islami Muzffarabad.Saharanpur(u.p)

مکرمی ومحترمی جناب محمد مسعود عزیزی ندوی

چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''نقوش اسلام''، مظفر آباد، بھارت

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

آپ کی طرف سے ۱۶؍جون ۲۰۰۷ء کو بھیجے گئے دوشمارے (مئی، جون) گذشتہ روز موصول ہوئے، پڑھ کر آ گاہی ہوئی، مضامین بلند پایہ اور معیار ستھرا ہے، خاص طور پر جید علماء کرام پراحاطہ کیا گیا ہے، میں آپ کا بے حدممنون ہوں کہ آپ نے اس قدر اہتمام سے جریدہ روانہ کیا، خدا آپ کو اس کا اجر دے۔ آمین

چندگزارشات گوش گزار ہیں:

۱- میں پاکستان میں آپ کا رابطہ کار، تقسیم کار کے طور پر کام کرنے لیے تیار ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ جب لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ رسالہ ہذا بھارت سے آتا ہے تو وہ زرسالانہ کے بارے میں فکرمند ہوجاتے ہیں کہ کیسے بھیجیں اور کہاں بھیجیں؟ مولانا عبدالقیوم حقانی حفظہ اللہ پر ''القاسم'' اور ''القاسم اکیڈمی'' اور ''جامعہ ابو ہریرہ'' کی کافی ذمہ داریاں ہیں، وہ رسالہ ہذا کی توسیع اشاعت کا کام بطریق احسن بوجہ مشغولیت کرنے سے قاصر ہیں۔

۲- پاکستان سے کئی ایسے رسالے (دینی، ودنیاوی) شائع ہوتے ہیں جن کے بھارت میں نمائندگان خصوصی (Distributors) ہوتے ہیں، رسالہ کے مالکان ہرماہ ایک مطلوبہ تعداد میں رسالے بذریعہ ڈاک ان کو دے دیتے ہیں، جہاں سے وہ پورے بھارت میں ترسیل کوممکن بنادیتے ہیں، آپ پاکستان میں یہ کام مجھے دے دیں، میرے پاس پہلے بھی دوجریدوں کی توسیع واشاعت کی ذمہ داری ہے، اس طرح ہم پورے پاکستان کے سالانہ خریداروں کو یہیں سے رسالہ ''نقوش اسلام'' سپلائی کردیا کریں گے، میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ چند ماہ کے اندر اندر درجنوں خریدار پاکستان سے مستقل مل جائیں گے، نیز پاکستان سے شائع ہونے والے جرائد واخبارات میں ہم ''نقوش اسلام'' پرتبصرے شائع کرائیں گے، جس سے سرکولیشن بڑھے گی، یوں پاکستان ہی سے ان لوگوں کو جریدہ سپلائی کردیا جایا کرے گا۔

۳- نیز میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے پاس اشتہارات کا شدید فقدان ہے، میں اس سلسلے میں بھی آپ سے تعاون کرسکتا ہوں، پاکستان سے کافی اشتہارات مل سکتے ہیں، لیکن اس کے لیے آپ کے فیصلے کی ضرورت ہے۔

۴- آخری گزارش یہ ہے کہ اس سلسلے میں احباب سے مشورہ کرکے بذریعہ ڈاک یا بذریعہ فون مطلع فرمادیں تاکہ بندہ بروقت کام شروع کرسکے۔

دعاؤں کی درخواست ہے۔ والسلام

آپ کا بھائی

قمرعباس

چک نمبر ۳۳۲؍ج-ب- دھنی پور

تحصیل گوجرہ، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ، پاکستان

مکرمی ومحترمی جناب ایڈیٹر صاحب......زیدفضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مع رفقاء وکارکنان بخیر ہوں گے۔

عرض اینکہ ماہ جولائی ۲۰۰۷ء کا شمارہ ''نقوش اسلام'' نظرنواز ہوا، اگرچہ جامعہ میں رسالہ پہلے سے جاری ہے، مگراس ناچیز کو اپنی داخلی وخارجی گوناگوں مصروفیتوں کے باعث بنظر غائر دیکھنے کا پہلی بار اتفاق ہوا، سرورق نے اپنی طرف متوجہ کیا، پہلا صفحہ پلٹا تو پھر پلٹتے ہی چلا گیا، تمام ہی مضامین پرمغز اور معیاری نظر آئے، رسالہ کی عمدہ ترتیب وتالیف آں موصوف کے پاکیزہ اور صاف ستھرے ادبی ذوق کی غماز ہے، مجلّات ورسائل کی اندھادھند آمدورفت کے اس دور میں ''نقوش اسلام'' کا اتنی جلد اپنے لیے ایک سنجیدہ حلقہ پیدا کرلینا اور ملک وبیرون ملک کے قارئین کرام کے دلوں میں اپنی جگہ بنالینا جہاں آنجناب کی شبانہ روز محنت وجانفشانی کا صلہ معلوم ہوتا ہے وہیں اس رسالہ کے ساتھ امداد الٰہی اور فضل خداوندی کا شامل حال ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔

آپ نے ایک اصلاحی وادبی معیاری رسالہ جاری فرماکر پورے علاقہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے، باری تعالیٰ اصلاح امت کے تئیں آپ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں اور اخلاص ونیک نیتی کے ساتھ دینی خدمات انجام دینے اور جریدۂ عالم پر ''نقوش اسلام'' ثبت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

فقط والسلام

(حاجی) فضل الرحمٰن (صاحب قادری)

ناظم جامعہ ستاریہ فیض الرحیم نانکہ گندیوڑہ، سہارنپور

حالات حاضرہ

عالمی خبریں News World

حافظ عبدالستار عزیزی

امریکی کانگریس میں تبلیغ اسلام

امریکی پارلیمنٹ کے تقریباً دو درجن مسلم ملازمین اسلام کے تعلق سے غلط فہمیاں دور کرنے اور اپنے مذہب کی صحیح تصویر پیش کرنے کے لیے سرگرم ہو گئے ہیں، چنانچہ انہوں نے ۱۰۰ر غیر مسلم رفقائے کار کو لنچ پر مدعو کیا اور ایک ڈاکیومنٹری فلم کے ذریعہ اسلام کا تعارف کروایا، امریکی کانگریس مسلم اسٹافرس اسوسی ایشن نامی ملازمین کا یہ گروپ ابتداء میں صرف نماز کے اہتمام کے لیے تشکیل دیا گیا تھا، اور اب اس نے امریکی پارلیمنٹ میں تبلیغ اسلام کا بیڑا اٹھایا ہے، امریکی کانگریس کے ۱۰ر ہزار ملازمین کے منجملہ صرف ۲۰ر مسلمان ہیں، حکام نے انہیں ایوان نمائندگان میں مستقل طور پر اسلامی کلاسیز کا اہتمام کرنے کی اجازت دی ہے۔

جرمن زبان میں اسلامی پروگرام کا آغاز

جرمن- جرمنی کے ایک براڈ کاسٹر نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ جرمن زبان میں وہاں کے مسلمانوں کے لیے فورڈ آف اسلام کے نام سے ایک نیا پروگرام شروع کر رہا ہے، ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اسے آئندہ ماہ سے انٹرنیٹ پر بھی دینے کا ارادہ رکھتا ہے، یہ اعلان گزشتہ ماہ کے اواخر میں کیا گیا تھا، واضح رہے کہ مذکورہ براڈ کاسٹر جنوب مغربی جرمنی میں ریڈیو اور ٹی وی کی خدمات انجام دے رہا ہے، مذکورہ براڈ کاسٹر کا کہنا ہے کہ اس نے جرمن کونسل آف مسلم کے جنرل سکریٹری ایمن مزیک اور اسلامک یونین آف ریلیجس سنٹرز کے بکرالبوغہ کی خدمات بحیثیت قلمکار حاصل کر لی ہیں، اسے ایسی دو مسلم خواتین کی بھی تلاش ہے جو اس پروگرام کے لیے مواد تیار کر سکیں۔

SWR کے ڈائریکٹر جنرل پیٹر واس کا کہنا ہے کہ ان کے ادارے نے ہفتہ میں ایک بار اس طرح کا پروگرام پیش کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، اس کا کہنا ہے کہ جو مواد بھی تیار کیا جائے گا وہ مسلم نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر ہی تیار کیا جائے گا، اور اس میں اس کا بھرپور لحاظ رکھا جائے گا، جرمنی میں اپنے طرز کی یہ پہلی کوشش ہوگی، دریں اثناء جرمنی کے قومی سرکاری براڈ کاسٹر زیڈ ڈی ایف اس ہفتہ وار پروگرام کے انٹرنیٹ ایڈیشن شروع کرنے کا اعلان کیا ہے، واضح رہے کہ جرمنی میں مسلمانوں کی آبادی ۳۵ر لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔

وفیات

☆- ۱۲ر جولائی ۲۰۰۷ء کو جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے شیخ الادب حضرت مولانا محمد اطہر صاحب مظاہری (برادر محترم حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ) کا انتقال ہو گیا ہے، ۱۳ر جولائی کو بعد نماز جمعہ مولانا محمد سعیدی صاحب نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور تدفین حاجی شاہ کمال کے قبرستان میں ہوئی، جنازہ میں مظاہر کے اساتذہ وطلبہ اور شہر کے مسلمانوں کے علاوہ قرب وجوار کے لوگوں نے شرکت کی۔

مرحوم کی عمر ۷۵ر سال کی تھی اور گذشتہ ۵۰ر سال سے مدرسہ مظاہر علوم میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے، مرحوم باخلاق شخصیت کے مالک تھے، اللہ تعالی انہیں جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام نصیب فرمائے۔

☆- ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے ایک رکن مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری کے ماموں جناب رفیق اللہ صاحب انصاری دسانواں، کا ۹ر جولائی ۲۰۰۷ء بروز پیر کو انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کی نماز جنازہ گاؤں کے مدرسہ ''دار العلوم رضویہ دسانواں'' میں ادا کی گئی۔

مرحوم کے پسماندگان میں دو بیٹیاں اور بیوی ہے، موصوف نہایت ہی خلیق، ملنسار، شفیق اور خوش مزاج تھے، اللہ تعالی ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین

نقوش اسلام کے قارئین اور تمام مسلمانوں سے مرحومین کے لیے مغفرت اور درجات کی بلندی کے لیے دعاء کی درخواست ہے۔